۱۳

سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

جنوری تا مارچ ۲۰۱۷ء

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف (اٹک)

نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف (اٹک)

کتب خانہ
مولانا محمد علی مکھڈی
دے پنجابی خطی نسخے

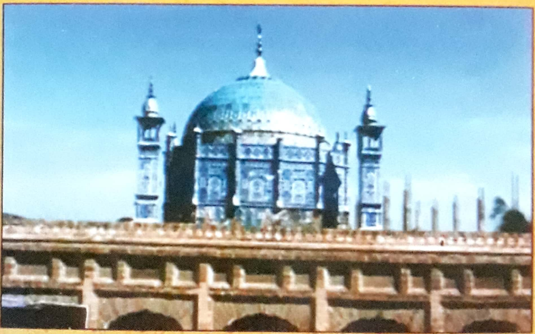

جوڑن ہار

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کی کتاب

"کتب خانہ مولانا محمد علیؒ مکھڈی دے پنجابی خطی نسخے" کا سرورق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفیضانِ نظر
شہبازِ چشت حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

بیادگار
حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ
مکھڈ شریف

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا فتح الدین چشتی مدظلہ العالی

سہ ماہی کتابی سلسلہ
قندیلِ سلیمان
مکھڈ شریف (اٹک)

13
جنوری تا مارچ ۲۰۱۷ء

مدیر
محمد ساجد نظامی

مدیرِ منتظم
ڈاکٹر محمد امین الدین

مدیرِ معاون
ڈاکٹر محسن علی عباسی

مجلسِ مشاورت

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
سید شاکر القادری چشتی نظامی ۔ مدیرِ اعلیٰ "فروغِ نعت"، اٹک
ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
پروفیسر محمد نصر اللہ معینی۔ منہاج انٹرنیشنل یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر طاہر مسعود قاضی۔ الخیر یونیورسٹی، آزاد کشمیر
محمد عثمان علی۔ ایم فل اسکالر، استنبول یونیورسٹی، ترکی

قانونی مشیر منصور اعظم (ایڈووکیٹ)، راولپنڈی
سرکولیشن منیجر فدا حسین ہاشمی۔ (راولپنڈی)
تصاویر خالد محمود قریشی۔ (انجرا، اٹک)
کمپوزنگ قاضی ذوالقرنین احمد۔ (حسنت، اٹک)

ہدیہ سالانہ 700 روپے فی شمارہ 175 روپے

رابطہ: مدیر 0343-5894737 مدیرِ منتظم 0333-5456555
سرکولیشن منیجر 0346-8506343 0334-8506343
e-mail: sajidnizami92@yahoo.com

مضمون نگاروں
کی آرا سے ادارے کا
متفق ہونا ضروری
نہیں

پرنٹرز / پبلشرز:۔ نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلی حضرت مولانا محمد علی مکھڈی، مکھڈ شریف، (اٹک)

0334-8506343
ای میل: sajidnizami92@yahoo.com

فہرستِ مندرجات

☆ اداریہ	مدیر	5

گوشۂ عقیدت:

☆ دُعا	قتیل شفائی	۷
☆ نعت بحضور سرورِ کائنات ﷺ	نذر صابریؒ	۸
☆ منقبت حضرت ابوبکر صدیقؓ	حافظ محمد بخش سیالوی	۱۰
☆ منقبت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ	داغ دہلوی	۱۱
☆ سرمایۂ الہام	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	۱۲

خیابانِ مضامین:

☆ خلفاء راشدین کے باہمی تعلقات اور محبتیں	علامہ قاری سعید احمد	۱۴
☆ دینِ اسلام۔ امن و آشتی کا پیغام	مفتی آفتاب احمد رضوی	۱۸
☆ نقدِ ملفوظات پر ایک نظر	ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر	۲۶
☆ تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی	علامہ حافظ محمد اسلم	۴۵
☆ انوار الکریمین	پروفیسر محمد انور بابر	۶۰
☆ حضرت مولانا میاں محمد موسیٰ فتح پوریؒ [خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ]	راجہ نور محمد نظامی	۷۷
☆ پیغامِ اقبال	علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ	۹۰

حدیقۂ شریعت:

☆توحیدِ خالص — حضرت خواجہ غلام زین الدینؒ — ۹۱

☆وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ — علامہ بدیع الزماں نوریؒ — ۹۷

۞ ۞ ۞

صلی اللہ علیہ وسلم

اداریہ

بد دُعا راہگواروں کی نہ لگ جائے مجھے

اک شجر کاٹنے والا مرا ہمسایہ ہے

پچھلے ہفتے سے نیا مقتل سجا ہے۔ ہر طرف لاشے ہی لاشے ہیں۔ خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے اور ہم محو خواب ہیں۔ لگتا ہے دہشت گردی فیز ۲ کا آغاز ہو چلا۔ یہ خودکش دھماکے کتنوں کی جانیں نگل گئے۔ کتنوں کے اپنے پَل بھر میں رخصت ہوئے۔ جو زخمی حالت میں زندہ بچ بھی گئے تو اُن کی زندگی ایک عذاب مسلسل کی تصویر بن کر رہ گئی۔ دُکھ کی یہ گھڑیاں کئی بار ۱۹۹۹ء سے اب تک ہم پر گزر گئیں۔ کوئی پُرسانِ حال نہ ہوا۔ سوائے چند طِفل تسلیوں کے اور حکمران طبقے کے رسمی سیاسی بیانوں کے ہمارے پاس کچھ نہیں۔

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں

اور بقول غالب

مجھے کیا بُرا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا

وطنِ عزیز میں ہونے والے ہر خودکش دھماکے کے بعد میرے گھر میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔ میں یتیم ہو جاتا ہوں۔ میری لاوارث لاش سڑکوں کے بیچوں بیچ گھسیٹی جاتی ہے۔ لاوارث مریض کے طور پر ہسپتال کے بیڈ میرے جسم سے نالاں ہو جاتے ہیں؛ اور پھر کسی کچے گھروندے کی گرتی دیوار کے سائے میں، اپنی دردوں بھری ٹیسوں اور جسم کے ناسوروں کو پالتا رہتا ہوں۔ اس انتظار میں سسکیاں اور آہیں بھرتا ہوں کہ کبھی تو میرا خدا میری بھی پکار سُنے گا؛ مجھے اس درد سے چھٹکارا ملے گا اور میں اپنی لاش کو مٹی کے سپرد کر سکوں گا۔ بہ ایں حالات جناب نور القادری کی زبانی استغاثہ رحمتِ عالمیاں کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔

سر جُھکائے درِ رحمت پہ غلام آئے ہیں !

استغاثہ ترے دربار میں یہ لائے ہیں

حالِ زار اُمتِ بے کس کا خدارا سُنیے

کرمِ خاص سے افسانہ ہمارا سُنیے

سُنیے حالِ دلِ ناشاد ذرا بندہ نواز

استغاثہ یہ ہمارا ہے شہنشاہِ حجاز

حملے ہر روز ہیں مسلم پہ ستمگاروں کے
سینے کینوں سے ہیں لبریز جفا کاروں کے
اہلِ باطل کو عداوت ہے مسلمانوں سے
کیسے انساں ہیں کہ بے زار ہیں انسانوں سے
استغاثہ ہے یہی آپ سے اُمت کا حضور!
عفو فرمایئے مسلم کا ہر اِک جرم و قصور
فتنہ و جور زمانہ سے مٹا دو سرکار!
شیوۂ مہر و وفا سب کو سکھادو سرکار!
قومِ اغیار کو احساسِ محبت دے دو!
اپنے عشاق کو آفاق میں عزت دے دو!

○

''قندیلِ سلیماں'' کا تیرھواں شمارہ حاضر خدمت ہے۔اس شمارہ میں حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ مکھڈی کے احوال وآثار پر علامہ محمد اسلم صاحب کی تحریر شامل ہے۔علاوہ ازیں ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر صاحب کے مقالہ ''نقدِ ملفوظات پر ایک نظر'' میں ملفوظاتی ادب کے تحقیقی وتنقیدی رویوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ ملفوظاتی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔قندیلِ سلیماں کے لیے مستقل لکھنے والوں میں مفتی آفتاب احمد رضوی، علامہ سعید احمد، پروفیسر انور بابر، حافظ محمد بخش سیالوی، ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر اور علامہ محمد اسلم صاحب کے قلمی تعاون کے لیے ممنون ہیں۔

○

''قندیلِ سلیماں'' کی پندرھویں اشاعت ''جولائی تا ستمبر ۲۰۱۷ء'' میں خصوصی طور پر ''حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ'' کے احوال وآثار، ملفوظات، مکاتیب، اشاعتِ اسلام کے لیے آپ کی تبلیغی کاوشوں پر مشتمل مضامین شامل کیے جائیں گے۔اہلِ قلم اس سلسلہ میں اپنی تحریریں ماہِ اپریل کی ۳۰ تاریخ تک ارسال فرمادیں۔

مدیر

دُعا

قتیل شفائی

دینے والے میرے دیس کی دھرتی کو خوش حالی دے
باغوں کو پھل پھول عطا کر ، کھیتوں کو ہریالی دے

مولا مجھ کو ڈال دے اپنے درویشوں کے رستے پر
اُس کا بھی میں بُرا نہ مانگوں جو بِنت مجھ کو گالی دے

صدیوں سے جھلسایا ہے جس کو پیلی گرم دوپہروں نے
اس دہقان کے چہرے کو اب شنگرف جیسی لالی دے

ساری دنیا تیرے ذمے ، دنیا کی ہر چیز تری
مجھ کو تو بس ایک مِرے کردار کی تو رکھوالی دے

آخر بڑا نہ بن بیٹھے وہ چھوٹے چھوٹے لوگوں میں
جس کو رُتبہ دیا ہے تو نے ظرف بھی اس کو عالی دے

یوں تو لکھتا ہی رہتا ہے نظمیں غزلیں گیت قتیل
اُسے کوئی تخلیق ہمیشہ زندہ رہنے والی دے

☆☆☆☆☆

نعت بحضورِ سرورِ کائنات ﷺ

نذر صابریؒ

جب تک کہ جان جان میں اور دَم میں دَم رہے
ہے آرزو کہ دل تری چوکھٹ پہ خَم رہے

عظمت کو ان کی عرش نے جُھک جُھک کیا سلام
جو لوگ تیرے ساتھ رہینِ ستم رہے

گر فکر ہو تو تیری اطاعت کی فکر ہو
گر غم رہے تو تیری محبت کا غم رہے

سیرت میں تیری کوئی کہیں پیچ وخَم نہ تھا
کچھ خَم رہے تو گیسوئے مشکیں میں خَم رہے

سوچا تھا میرے جرم وخطا حد سے بڑھ گئے
دیکھا جو حشر میں تری رحمت سے کم رہے

اتنی ہی تیرے لطف سے محرومیاں رہیں
جتنے کہ وصف گیر میں مصروف ہم رہے

بے من بہار حسنِ تو گردد نہ ہیچ کم
بے تو نشاط را بہ سوئی ماست کم رہے

کچھ کی طرف قدم قدم اپنا قلم گیا
مضمون کچھ رواں دواں سوئے قلم رہے

جو لوگ تیرے طرۂ مشکیں پہ ہیں فدا
لوحِ حیات پر وہی مشکیں رقم رہے

☆☆☆☆☆

''قندیلِ سلیماں'' کی پندرہویں اشاعت ''جولائی تا ستمبر ۲۰۱۷ء'' میں خصوصی طور پر ''حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ'' کے احوال و آثار، ملفوظات، مکاتیب، اشاعتِ اسلام کے لیے آپ کی تبلیغی کاوشوں پر مشتمل مضامین شامل کیے جائیں گے۔ اہلِ قلم اس سلسلہ میں اپنی تحریریں ماہِ اپریل کی ۳۰ تاریخ تک ارسال فرمادیں۔

منقبت حضرت ابوبکر صدیقؓ

حافظ محمد بخش سیالوی

کرے کیسے کوئی رُتبا بیاں صدیقِ اکبرؓ کا
کہ خود خالق بھی ہے رطبُ اللّساں صدیقِ اکبرؓ کا
رسول اللہ ﷺ! کے لطف وکرم کی انتہا دیکھو
بنا کیسا ہے گھر جنّت نشاں صدیقِ اکبرؓ کا
نبی کی جاں نثاری میں رہے کچھ پیش پیش ایسے
کہ ہے ممنونِ احساں ہر زماں صدیقِ اکبرؓ کا
اشارا سُن کے ہجرت کا مہینوں جاگتے رہنا
خِردمندو جنوں دیکھو جواں صدیقِ اکبرؓ کا
وہ پونجی اپنے گھر کی سب سپردِ مصطفیٰ ﷺ کر دی
بنا کردار ہر عظمت نشاں صدیقِ اکبرؓ کا
شبِ ہجرت عدو کے پوچھنے پر فی البدیہ کہنا
یہ ہے راہبر امیر کارواں صدیقِ اکبرؓ کا
علوِ مرتبت دیکھو نبی ﷺ کے ماننے والو
کہ محبوبِ خدا ہے راز داں صدیقِ اکبرؓ کا
سُنو! صدیقؓ نے معراج کی تصدیق ایسے کی
کہ رُتبا مل گیا ہے جاوداں صدیقِ اکبرؓ کا
تمنا ہے پھلا پھُولا رہے حافظؔ زمانے میں
تر و تازہ مہکتا گلستاں صدیقِ اکبرؓ کا

☆☆☆

منقبت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

داغ دہلویؔ

یا خواجہ معین الدیں چشتی سلطان الہند غریب نواز
یا واقفِ رازِ خفی و جلی سلطان الہند غریب نواز

لائی ہے مجھے امیدِ کرم ، اِس خاک کی اور اِس در کی قسم
آیا ہوں پئے حاجت طلبی سلطان الہند غریب نواز

اے حاجی شریفؒ کے نورِ نظر، خواجہ عثمانؒ کے لختِ جگر
سجادہ نشینِ نبی و علی سلطان الہند غریب نواز

منہ عیش و طرب نے پھیر لیا، دِن رات کے غم نے گھیر لیا
ہوں دُور میرے سب رنج دِلی سلطان الہند غریب نواز

یہ داغؔ کہاں تک رنج سہے، تم سے نہ کہے تو کس سے کہے
تم آلِ نبی اولادِ علی ، سلطان الہند غریب نواز

☆☆☆☆☆

سرمایۂ الہام

کلام: بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ

منظوم اُردو ترجمہ: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

(۱)

فریدا خاک نہ نِندیے ، خاکو جیڈ نہ کوءِ
جیوندیاں پَیراں تلے ، مویاں اُپر ہوءِ

☆

فریؔد نہ خاک کو بُرا کہو تُم ، خاک کا درجہ اعلا
جیتے بوجھ سہارے تیرا ، موت کے بعد ہے پردا

(۲)

فریدا جاں لب تاں نینہہ کیا ، لب تاں کُوڑا نینہہ
کِچر جھت لنگھائیے ، چھپر ٹُٹے مینہہ

☆

فریؔد ہوس ہے جس میں ذرا بھی ، جھوٹا ہے وہ پیار
ٹوٹا چھپر روک کے رکھے کب تک؟ مینھ کی دھار

(۳)

فریدا ڈُکھاں سیتی دینہہ گیا ، سُولاں سیتی رات
کھڑا پکارے پاتنی ، بیڑا کپر وات

☆

فریدؔ دُکھوں میں ہر دن گزرا اور غم میں ہر رات
کھیون ہار پُکار رہا ہے ، ناؤ بھنور کے ہات

(۴)

فریدا گور نِمانی سڈ کرے ، نِگھریا گھر آؤ
سَر پَر میں تھے آونا ، مرنوں نہ ڈریاؤ

☆

فریدؔ پُکارے قبر ہمیشہ ، " آ جا اپنے گھر
آخر تو نے مر جانا ہے ، مرنے سے مت ڈر"

(۵)

کندھی اُتے رُکھڑا ، کِچرک بنھے دھیر
فریدا کچّے بھانڈے رکھیے ، کِچر تائیں نیر

☆

فریدؔ رہے سلامت کب تک ، پیڑ کنارِ دریا
کب تک پانی کو روکے گا ، نازک کچّا بھانڈا

☆☆☆

از ہر چہ بود اوّل توئی، ختمِ نبوت ہم توئی
اوّل توئی، آخر توئی، یا مصطفیٰ ﷺ یا مصطفیٰ ﷺ

[حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ]

قسط نمبر۔۔۔۳

خلفائے راشدین کے باہمی تعلقات اور محبتیں

علامہ قاری سعید احمد

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبوی نسبت اور قرابت کا بے حد لحاظ فرماتے۔ اسی لیے حضرت مولا علی کرم وجہہ الکریم اور آپ کی اولاد کا احترام کرتے۔ جب مال آتا تو اسی نسبتِ نبوی کے پیش نظر ''اَلاَ قْرَبُ فَالْاَ قْرَبُ'' کی ترتیب سے تقسیم فرماتے۔

جب کثرتِ فتوحات کے باعث مالی وسعت ہوتی تو آپ نے اس کی تقسیم کے لیے باقاعدہ ایک محکمہ (دیوان) مقرر فرما کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درجہ بندی فرمائی اور ان کے وظائف مقرر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس میں سر فہرست آپ اپنا نام رکھیں؛ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا میں رسول ﷺ سے قربت کے اعتبار سے ترتیب رکھوں گا۔ چنانچہ سب سے پہلے رسول ﷺ کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نام پھر اہلِ بدر اور اُن کے بعد دیگر غزوات کے شرکا قرابتِ نبوی ہی کا اعتبار کرتے ہوئے آپ نے امام حسن و امام حسین علیہ السلام کے وظائف اہلِ بدر کے برابر رکھے۔ حالانکہ دونوں شہزادے جنگِ بدر میں شریک نہ تھے۔ کیونکہ آپ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ (البدایۃ والنہایہ، جلد ۸۔ ریاض النضرہ۔ ص ۲۹۴)

یہ بات تحقیقی طور پر ثابت شدہ ہے کہ حضرت عمر حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بہت تکریم فرماتے۔ انھیں اُٹھاتے اور ان کی خدمت میں عطیات پیش کرتے جیسا کہ ان کے والدِ گرامی حضرت کو تحائف سے نوازتے۔ (البدایۃ والنہایہ، جلد ۸ : ص: ۲۰۷)

☆ مدرس جامعہ زینت الاسلام، ترگ شریف، تحصیل عیسیٰ خیل، ضلع میانوالی

ایک بار آپ نے صحابہ کرام کے صاحبزادوں میں یمنی پوشاکیں تقسیم کیں اور فرمایا یہ حضرات حسن و حسین کے لیے موزوں نہیں۔ چنانچہ آپ نے یمن میں اپنے نائب کو خط لکھا کہ فوری طور پر حسنین کریمین کے شایانِ شان دو پوشاکیں بھجوائی جائیں۔ (ریاض النضرہ؛ ص ۲۹۳)

۵۔ حضرت عبید بن حسنینؓ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے پاس آئے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی آئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اجازت چاہی ان کو اجازت نہ ملی۔ حضرت سیدنا امام حسنؓ یا امام حسینؓ نے سوچا کہ جب انھوں نے اپنے صاحبزادے کو اجازت نہ دی تو ہمیں اجازت کیسی مل سکتی ہے۔ وہ بھی واپس تشریف لے گئے۔ حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کو پتہ چلا تو آپ نے پیغام بھیجا؛ اپنے پاس بلوایا اور فرمایا اے میرے بھتیجے: تم کیوں واپس تشریف لے گئے۔ فرمایا: میں نے خیال کیا کہ جب عبداللہ بن عمرؓ کو اجازت نہ ملی تو مجھے کیسے اجازت مل سکتی ہے۔ سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا! اے میرے بھتیجے میرے سر پر آپ ہی نے تو بال اُگائے ہیں۔ (ریاض النضرہ: جلد ۲۔ ص ۲۹۴)

مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کا اور پھر آپ ہی کے گھرانے کا فیض و کرم ہے۔

حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کے لیے ہمیشہ رطب اللسان رہے اور آپ کے فضائل پر مشتمل بہت سی احادیث روایت فرمائیں۔ آپ نے حضرت عمرؓ کی افضلیت کا ہمیشہ اعلان و اقرار فرمایا علامہ طبریؒ نے حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ "مجھے اگر کسی کے بارے میں پتہ چلے کہ وہ مجھے حضرت عمرؓ سے افضل سمجھتا ہے تو میں اسے اس بہتان پر مفتری کی حد لگاؤں گا۔ (ریاض النضرہ؛ جلد ۲ ؛ص: ۳۴۲)

ابوالفر سے مروی ہے۔ حضرت علیؓ ایک چادر اکثر پہنا کرتے۔ آپ کو عرض کیا گیا کہ آپ ہمیشہ یہی چادر اوڑھتے ہیں؛ کوئی خاص وجہ ہے فرمایا: کسا نیہ خلیلی و صیفی عمر بن خطاب.. یہ میرے خلیل اور مخلص دوست عمر بن خطاب نے پہنائی ہے۔ (ریاض النضرہ۔ جلد: ۱،

ص:۳۴۲)

ابواسحاق اپنی مسند سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ بہت زیادہ رُو رہے تھے۔رُونے کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ چادر حضرت عمر کا عطیہ ہے اِس کو دیکھ کر اُن کی یاد میں آنسو بہا رہا ہوں۔

اتباعِ عمر رضی اللہ عنہ:۔

حضرت علی ؓ کا حضرت عمرؓ سے قلبی لگاؤ کا اندازہ اِس اَمر سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت زید ؓ فرماتے ہیں۔آپ نے حضرت عمرؓ کی سیرت جیسی سیرت اختیار فرمائی۔(ریاض النضرہ۔ جلد ٦۔ص ۳۴۱)

حضرت امام حسن مجتبیٰؓ فرماتے ہیں **لا اعلم علیا خالف عمر ولا غیر شیأ مما صنع حین قدم الکوفة:**

ترجمہ: میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں کہ حضرت علیؓ نے خلیفہ بننے کے بعد کوفہ میں آ کر حضرت عمر کی کبھی مخالفت کی ہو یا آپ کے کسی طریقے میں تبدیلی کی ہو۔(ریاض النضرہ: جلد ۲۔ص ۳۴۱)

حضرت شعبیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے نجران والوں سے فرمایا: بے شک حضرت عمرؓ رشید الامر (یعنی ان کے حکم میں ہدایت ہوتی تھی) ہیں۔جو کام انھوں نے کیا میں اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہ لاؤں گا۔(ایضاً۔ص ۳۴۱)

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں حضرت عمر فاروقؓ کی مولا علی اور حسنین کریمین سے ملاقات ہوئی۔حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر رُونے لگے۔حضرت علیؓ نے رُونے کا سبب دریافت کیا۔تو آپ نے فرمایا: علیؓ مجھ سے بڑھ کر رُونے کے قابل کون ہوسکتا ہے۔مجھ پر خلافت کا بارِ گراں ہے۔پتہ نہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں میں اچھا ہوں یا بُرا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: واللہ آپ تو عدل فرمانے والے ہیں۔حضرت علیؓ کی اس بات کے باوجود حضرت عمرؓ روتے

رہے۔ حضرت امام حسنؓ نے بھی آپ کی عدالت اور حکمرانی کی تعریف وتوصیف کی؛ مگر آپ برابر رُوتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت امام حسینؓ نے بھی اپنے بھائی جان کی طرح آپ کے عدل وانصاف کی تعریف کی تو حضرت عمرؓ نے کہا بھتیجو! تم اس بات کی شہادت دیتے ہو؟ دونوں حضرات اپنے والدِ گرامی کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔

اَشْهَدُ وَاَنَا مَعَكُمَا شَهِيْد"

بیٹو! گواہی دو میں بھی تمہارے ساتھ (عمرؓ کی عدالت پر) گواہ ہوں۔

(مسند امام احمد، جلد۔ا، ص ۱۱۳)

تعزیتی کلمات:۔

حضرت مولا علیؓ عمر فاروقؓ کی عظمت کے معترف تھے اور آپ کے اعمالِ حسنہ پر رشک کرتے تھے۔ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں جب حضرت عمرؓ کا وصال ہوا۔ آپ کی چارپائی کے گرداگرد دیدار کرنے والوں اور دعائے خیر کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ اسی اثنا میں حضرت علیؓ آئے اور فرمایا۔ اے عمرؓ! اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں فرمائے آپ کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے نامہ اعمال کے ساتھ میں اللہ کے حضور جانا پسند کروں۔ قسم بخدا! اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو اپنے دوساتھیوں رسول ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملائے گا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ سے اکثر سنا آپ فرماتے۔

ذَهَبْتُ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ.... دَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَر.... خَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرَ رضی اللہ عنہما "

ترجمہ:۔ میں اور ابوبکر وعمر چلے۔ میں اور ابوبکر وعمر داخل ہوئے میں اور ابوبکر وعمر نکلے۔ یعنی ہر کام میں حضور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رکھتے، اب بھی مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے ساتھ ہی رکھے گا۔

☆☆☆☆☆

دینِ اسلام ۔ امن و آشتی کا پیغام

مفتی آفتاب احمد رضوی ☆

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہٖ الکریم ہ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم .بسم اللہ الرحمن الرحیم یآایھا الانسان ماغرک بربک الکریم (الانفطار)صدق اللہ العظیم .

اسلام سلامتی کا دین ہے ۔ ہر نقصان دہ اور مضر امور سے حضرتِ انسان کی حفاظت چاہتا ہے حتیٰ کہ دھوکہ دینا یا دھوکہ کھانا دونوں اسلام میں ممنوع ہیں ۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ یہاں دو باتیں زور و شور سے موجود ہیں ۔قرآنِ مجید میں ارشاد ربانی ہے ۔اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے کریم رب کے ساتھ دھوکے میں ڈالا۔

مقامِ غور ہے دھوکہ کھانا گویا تجاہلِ عارفانہ سے کام لینا ہے ۔ جان بوجھ کر خود لاعلم بننا ہے ۔بطورِ خاص یہاں پر جبکہ ہر شخص جانتا ہے کہ کریم رب کے احسانات اور انعامات حدو احصاء سے باہر ہیں ۔زندگی کا پل پل اور ہر لمحہ اُس کا نعمتوں سے بوجھل ہے پھر بھی دھوکے میں رہنا، اطاعت سے پہلو تہی کرنا اور فرمانبرداری سے اعراض کرنا عقل و فکر اور دانشمندی سے ماوراء ہے ۔

ایک سوال اور اس کا جواب: سوال یہ ہے کہ آخر انسان فریب خوردگی کا شکار کیوں ہو جاتا ہے ۔صاحبِ تفسیر مدارک رقم طراز ہیں کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے اس آیتِ مبارکہ کو تلاوت فرمایا تو ارشاد فرمایا غرہٗ جھلہٗ ‘ (انسان کو اس کی جہالت نے دھوکے میں ڈالا ۔ آپ اندازہ لگائیں کہ اللہ کریم کی بے پناہ نوازشات اور مہربانیوں کے باوجود انسان جہالت کے خارزار میں قدم رکھتا ہے ؛ نافرمانی کے کانٹے خود جسم میں چبھوتا ہے اور اپنی ذات پر رحم اور ترس نہیں کھاتا کہ میں کس ڈگر پہ چل رہا ہوں ۔

☆ ناظمِ اعلیٰ ، جامعہ اسلامیہ ، عیسیٰ خیل (میانوالی)

سورۃ احزاب آیت نمبر ۷۲ میں ارشاد فرمایا: ''اِنَّہ‘ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا''

ترجمہ: بے شک انسان اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔ سو یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ جب انسان کے دل ودماغ پر نادانی اور جہالت کے پردے چڑھ جاتے ہیں۔ پھر وہ اہم اور بنیادی امور کو طاقِ نسیاں میں رکھ لیتا ہے اور بے خبری میں سرپٹ دوڑتا جاتا ہے اور اپنے انجام سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

حماقت:۔ انسان دھوکہ کیوں کھا جاتا ہے۔ تفسیرِ مدارک میں ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے آیتِ مذکورہ وَغَـرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْم کو تلاوت فرمایا تو فرمایا غَـرَّھَا حُمْقُہ‘ .. انسان کو اس کی حماقت نے دھوکہ دیا۔ انسان اپنے مقاصد کے حصول سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ ربِ کریم کے بارے اس کی سوچ غفلت اور کوتاہی سے ملوث ہو جاتی ہے۔ وہ حماقت اور بے وقوفی کی راہ چل پڑتا ہے۔ نتیجتاً وہ فریب خوردگی کا شکار ہوتا جاتا ہے۔

شیطان:۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ غَـرَّ شَیْطَانَہ‘۔ انسان کو شیطان نے دھوکہ دیا۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ شیطان اس کا کھلا دشمن ہے۔ قدم قدم پر وار کرتا رہتا ہے۔ دین ودنیا دونوں کو برباد کرنا چاہتا ہے لیکن پھر انسان اس کے دامِ فریب میں آجاتا ہے اور اس کے جال میں پھنس کے رہ جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔ یَعِدُھُمْ وَیُمَنِّیْھِمْ ط وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا۔ شیطان انھیں وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے۔ اور شیطان انھیں وعدے نہیں دیتا مگر فریب کے (نساء۔۱۲۰) حضور صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شیطان جس چیز کے نفع اور فائدہ کی توقع دلاتا ہے درحقیقت اس میں سخت ضرر اور نقصان ہوتا ہے۔

تیرے لٹکے ہوئے پردے:۔ حضرت سیدنا فضلؒ نے فرمایا اگر مجھ سے پوچھا گیا کہ تجھے میرے ساتھ دھوکے میں کس چیز نے ڈالا تو میں عرض کروں گا۔ ستورک المرخاۃ تیرے

لٹکائے ہوئے پردوں نے انسان جب ظلم وخطا کے راستے پر چلتا ہے۔اللہ کریم فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ ڈھیل اور مہلت دیتا ہے۔اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔اس کے راز کو کسی پر ظاہر نہیں فرمانے دیتا۔انسان فریب کھاجاتا ہے کہ مجھے کچھ نہ کیا جائے گا، میں محفوظ ہوں۔رب کریم کے غضب وجلال کا خوف اس کے دل ودماغ سے نکل جاتا ہے۔یوں وہ معصیت اور گناہ کے راستے پر چل کر فریب کھاجاتا ہے۔

سابقہ اور موجودہ اچھائی:۔حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے کہ تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈالا۔میں عرض کروں گا۔مجھے تیری سابقہ اور موجودہ بھلائی نے دھوکے میں ڈالا۔میری زندگی تیرا کرم اور فضل رہا۔کتابِ زندگی کا ہر ورق تیری مہربانیوں سے پُر رہا۔یا اللہ تو دن مانگے دیتا رہا۔خطاؤں پر پردہ ڈالتا رہا۔گناہوں کو معاف کرتا رہا۔اپنے در سے بیش بہا نعمتیں عطا کرتا رہا۔ہر مطلوب چیز سے نوازتا رہا۔بھلائی اور اچھائی کا ہر وقت دور دورہ رہا۔اسی وجہ سے میں غفلت اور سُستی کا شکار ہو گیا۔دھوکہ کھانے والا بن گیا اور یوں میں فریب خوردوں میں شمار ہونے لگا۔لہٰذا کئی ایک وجوہات علمائے کرام نے بیان فرمائیں جن کی وجہ سے انسان دھوکے کا شکار ہو جاتا ہے۔

حقیقت:۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔اس میں گزرنے والا ہر لمحہ نت نئے ابتلاء کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور انسان کا ابتلاء وآزمائش میں پڑھنا یقینی اور حتمی ہے۔اس دنیائے دوں میں ہر سمت غرور اور دھوکے کا سامان بکھرا پڑا ہے۔انسان لاکھ کوشش اور جتن کرے بالآخر دھوکے کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔جان جس شخص پر اللہ کریم کا خاص فضل وکرم ہو تو جاں خلاصی ممکن ہے۔روپے پیسے کی ریل پیل ہو، طاقت وقوت کا گھمنڈ ہو، جہالت وحماقت کا دور دورہ ہو یا انسانیت اور خود پسندی کا اندھیرا ہو، حکومت وسلطنت کا دبدبہ ہو یا تنگدستی اور فقیری کا شکنجہ ہو، حاکمیت ہو یا محکومیت ہو، الغرض مختلف روپ میں انسان دھوکے کا شکار ہو جاتا ہے۔اور یہ دھوکہ دو طرفہ ہوتا ہے کہ کبھی انسان دھوکہ کھانے والا ہوتا ہے یا دھوکہ دینے والا۔حالات کے تقاضے نفس

وشیطان کے مکر اور داؤ پیچ بدلتے رہتے ہیں۔اس دھوکہ دہی یا دھوکہ خوری کے انداز بھی بدلتے رہتے ہیں۔جس آیتِ مبارکہ کو موضوعِ سخن بنایا اس میں علما کا اختلاف ہے کہ فریب خوردگی کے شکار اصل میں ہیں کون؟ مسلمان یا کافر۔اس کے متعدد جواب دیے گئے ہیں۔لیکن اکثریت کا خیال ہے کہ ممکن ہے آیتِ مبارکہ کا نزول خاص حالات میں کفار کے حوالے سے ہو لیکن چونکہ معنی میں عموم ہے۔اس لیے خصوصی نہیں بلکہ عمومی معنٰی مراد لیا جائے گا۔سو اس سے آج مسلمان ہی مراد لینا زیادہ مناسب ہوگا۔

ایک وضاحت یا ایھا الا نسان ماغرک بربک الکریم.. میں۔اللہ کریم نے ایک طرف انسان کے غرور اور فریب خوردگی کو بیان فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ متصل ایک مبارک نام کریم کو ذکر فرمایا۔یہ بات قابلِ غور ہے کہ فریب خوردگی اور کریم میں کیا مناسبت اور تعلق ہے۔

یاد رہے اس موقع پر صفتِ کریمی کو ذکر کرنے کی وجہ بظاہر یہی لگتی ہے کہ اللہ کریم کے وصفِ کریمی کی وجہ سے اس نے فریب کھایا تھا۔اور شیطان یہی کہہ کر دھوکا دیتا ہے کہ تیرا رب کریم کسی کو فوری سزا نہیں دیتا۔مقاتل نے فرمایا کہ چونکہ اللہ کریم فوراً سزا نہیں دیتا اس وجہ سے بندہ فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اور راہِ اطاعت پر سُستی کا مظاہرہ کر جاتا ہے۔

ایک مثال سے وضاحت:۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے اس آیتِ مبارکہ کے تحت اپنی تفسیر،تفسیر مظہری میں ایک مثال سے اس صورت کی وضاحت فرمائی۔نقل ہے کہ ایک عورت نے قاضی کے پاس درخواست دائر کی کہ میرے شوہر نے میرے اوپر ایک اور عورت سے نکاح کر لیا ہے۔قاضی نے کہا تجھ کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔اللہ کریم نے مردوں کے لیے حسبِ مرضی دو دو تین تین اور چار چار عورتیں مباح کر دی ہیں۔عورت بولی قاضی صاحب اگر حجاب وحیا مانع نہ ہوتی تو میں اپنا حُسن تم کو دکھاتی اور پھر پوچھتی کہ جس کا حُسن وجمال ایسا ہو جیسا کہ میرا ہے۔کیا اس سے رُخ موڑ کر دوسری عورت میں مصروف ہونا درست ہے۔عورت کا یہ قول ایک اللہ والے اہلِ دل نے سماعت فرمایا۔اور سنتے ہی چیخ مار کر گر پڑا۔کچھ دیر کے بعد جب

ہوش آیا تو کہنے لگا میں نے ہاتف کو یہ ندا دیتے سنا۔ کہ کیا اس عورت کی بات تم نے نہیں سُنی ۔اگر عظمت وکبریائی کا حجاب نہ ہوتا تو میں تجھ کو جمال وجلال دکھاتا جس کا مقابل کوئی بھی نہیں اور تجھ سے پوچھتا کہ جو میرے ساتھ مصروف رہ سکتا ہے (عبادت کر سکتا ہے) اس کے لیے دوسرے سے مصروف رہنا کیسے دُرست ہے۔ مجھ جیسا کہاں ہے۔ میری مثل کون ہے میری ہی طلب کر جب تو مجھے طلب کرے گا تو مجھے پالے گا۔

حقیقت یہی ہے کہ انسان نے ربّ کریم کے جمال کو نہیں سمجھا۔ کرم، رحم اور مہربانی سے دور رہا۔ ورنہ رب کو چھوڑ کر وہ کسی اور چیز سے دھوکہ نہ کھاتا۔

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی

اس مادیت زدہ اور پُرفتن دور میں ایک مسلمان کے لیے بڑے بڑے چیلنج کھڑے کر دیئے گئے۔ قدم قدم پر آفات اور مصائب کے طوفان قائم کیے گئے۔ مغرب نے مسلمان کو راہِ راست سے ہٹانے کے لیے تمام تر وسائل کو استعمال کیا۔ اُس نے عالمِ اسلام میں اپنے آلہ کار مختلف روپ میں بھیج دیے۔ فتنہ، فساد، شر اور سازش کی آگ بھڑکائی اور مسلمانوں کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ دھوکہ اور فریب کا ایسا گھناؤنا کھیل کھیلا کہ ہر انسان چکرا کے رہ گیا۔ ان حالات میں انسان پر ربِ کریم کرم فرمائے اور بچائے تو ممکن؛ وگرنہ محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی۔ صاحبِ تفسیر مظہری نے بزاز کے حوالے سے ایک حدیث کو بیان فرمایا۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ پھر جب آدمی رُخ پھیرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ابنِ آدم کس طرف تو رُخ پھیرتا ہے۔ مجھ سے بہتر کون ہے؟ میری طرف رُخ کر، جب آدمی دوبارہ رُوگردانی کرتا ہے تو اللہ کریم وہی پہلی بات فرماتا ہے۔ جب تیسری بار آدمی منہ پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی توجہ ہٹا لیتا ہے۔ (بزاز)

فریب خوردگی کے مزید اسباب: قرآن پاک میں اللہ کریم نے انسان کے دھوکہ کھانے کے متعدد اسباب بیان فرمائے اور بار بار بیان فرمائے جن میں سے زیادہ تر اس بات پر زور دیا۔

حیات دینوی:۔ بہت سے لوگوں کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈالا۔ان سب باتوں کو قرآن نے متعدد بار بیان فرمایا۔ارشادِ ربانی ہے۔

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران۔۱۸۵)اور دنیاوی زندگی نہیں ہے مگر دھوکے کا سامان۔ایک مقام پر فرمایا: فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا.. پس تمہیں دنیاوی زندگی غرور میں مبتلا نہ کردے۔(لقمان۔۳۳)

اس اندازِ غرور اور دھوکہ کو بیان فرمایا۔سوال یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کیونکر انسان کو غرور اور دھوکے میں مبتلا کر دیتی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں بار باران اسباب سے پردہ ہٹایا گیا۔جن کی وجہ سے انسان دنیاوی زندگی سے غرور میں مبتلا ہوجاتا ہے۔سورۃ الحدید۔آیت ۲۰ میں ارشاد ہوا۔یقین کرو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے۔عارضی زینت اور ایک دوسرے پر فخر و برتری ہے۔مال اور اولاد میں زیادتی طلب کرنا ہے۔اس کی مثال اُس بارش کی طرح ہے جس سے پیداوار کسانوں کو اچھی لگتی ہے۔پھر وہ (پیداوار) خشک ہوجاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی پھر وہ ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے اور آخرت میں (نافرمانوں) کے لیے سخت عذاب ہے؛ اور (فرمابرداروں کے لیے) اللہ تعالیٰ کی مغفرت ہے اور (اس کی) خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر۱۴اور رکوع ۱۵۔۱۶میں بھی اسی قسم کا بیان ہے ۔اگر احادیثِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی اس موضوع میں کافی اور شافی رہنمائی دستیاب ہے کہ دنیا دارالغرور ہے اور انسان اس دنیاوی حیات کی وجہ سے غرور کی نذر ہوجاتا ہے۔

حدیثِ پاک: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول ﷺ تشریف لائے

اور شھدائے احدؓ پر نمازِ جنازہ پڑھی پھر آپ منبر کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا: میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا۔ اور خدا کی قسم بے شک میں اب بھی ضرور اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں؛ اور بے شک مجھے روئے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں دے دی گئیں ہیں۔ اور خدا کی قسم بے شک مجھے تمہارے متعلق ہرگز یہ خدشہ نہیں ہے۔ کہ تم سب میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تمہارے متعلق یہ خدشہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ (بخاری حدیث نمبر۔ ۶۴۲۶)

حدیثِ پاک: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اگر ابنِ آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کو تلاش کرے گا۔ اور ابنِ آدم کے پیٹ کو مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور توبہ کرنے والے کی توبہ کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ (بخاری ۶۴۳۶۔)

حدیثِ پاک: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کون اپنے مال سے بڑھ کر اپنے وارث کے مال سے محبت کرتا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہر کسی کو اپنا مال پسند ہے۔ ارشاد فرمایا: **فان مالہٗ ماقدم وحالُ وارثِہٖ ما آخز..** اس کا اپنا مال وہی ہے جو اس نے آگے کیا اور اس کے وارث کا مال وہی ہے جو اس نے پیچھے چھوڑا۔ (بخاری۔ ۶۴۴۲) جب انسان دولت کی ہوس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ڈالر اور ریال کو اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے، کماتا ہے گن گن کے رکھتا ہے۔ روپے پیسے کی محبت دیمک کی طرح اسے چاٹنے لگتی ہے پھر اس کے دل و دماغ سے خالق کے احکام کا تصور مٹنے لگتا ہے۔ وہ تمام تر دولت کو محض اپنی محنت اور کاوِش کا ثمرہ سمجھنے لگتا ہے۔ خود ایسی دولت کا اپنے آپ کو مستحق گردانے لگتا ہے۔ شب و روز ایک دھن اور خیال میں لگن رہتا ہے۔ پھر غفلت کی دبیز چادر اس پر پھیل جاتی ہے اور دھن دولت کی مستی میں اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے۔ ناگاہ وقتِ مقرر آن پہنچتا ہے۔ اور غرور و دھوکے کی حالت میں رُخصت ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہمارے لیے کامل و اکمل نمونہ ہے۔آپ کی بود و باش، رہن سہن، اور معیشت و معاشرت ہماری کامیابی کی ضامن ہے۔اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم شمعِ ہدایت سے اکتسابِ نور کریں اور جانِ رحمت کے عاطفت میں ایامِ زندگی کو بسر کرنے کی کوشش کریں۔حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ کا بستر ایک چمڑا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی (بخاری۔۶۴۵۶)۔آپ ہی سے روایت ہے کہ ہم پر ایسا ہفتہ آتا تھا کہ پورا مہینہ آگ نہیں جلتی تھی۔ہم صرف کھجور کھاتے تھے اور پانی پیتے تھے اِلّا یہ کہ کبھی گوشت آجاتا۔حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے دعا کی اے اللہ آلِ محمد کو اتنا رزق دے جس سے رشتۂ حیات برقرار رہ سکے۔(بخاری۔۶۴۶۰)

جس دنیا کو دیکھ کر آج انسان کے منہ میں پانی آیا ہے اور اپنے ہوش و حواس اور دل و دماغ کو اور تمام تر توجہات کو صرف اسی ایک کام پر مرتکز کیے ہوئے ہے۔کاش اس کو معلوم ہوتا کہ اس دنیائے فانی کی حقیقت کیا ہے۔حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ ایک بازار سے گزرے تو لوگوں نے آپ ﷺ کو گھیر لیا۔آپ چھوٹے کانوں والے ایک بکری کے مردہ بچے کے پاس سے گزرے۔آپ ﷺ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا: تم میں سے کون شخص اس کو ایک درم کے بدلے میں خریدنا پسند کرتا ہے لوگوں نے کہا ہم اس کو کسی چیز کے بدلے میں خریدنا پسند نہیں کرتے۔ہم اس کا کیا کریں گے۔آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ یہ تم کو مل جائے؟ لوگوں نے عرض کیا۔بخدا اگر یہ زندہ ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا؛ کیونکہ اس کے کان چھوٹے ہیں اور اب تو یہ مردہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا: بخدا اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی کمتر ہے (بخاری۔۲۹۵۷) اللہ کریم اپنے کرم اور محبوبِ کریم ﷺ کے طفیل دنیاوی غرور اور دھوکے سے محفوظ فرمائے۔آمین بحرمتہ سید العالمین ﷺ

☆☆☆☆

نقدِ ملفوظات پر ایک نظر

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر☆

[۱]

نقدِ ملفوظات پروفیسر نثار احمد فاروقی (م ۲۰۰۴ء) کا ایک نہایت ہی اہم اور گراں قدر مجموعۂ مقالات ہے۔ اس مجموعے میں ان کے تیرہ مقالات شامل ہیں۔ چار مقالے براہِ راست ملفوظاتی ادب سے متعلق ہیں اور یہی چار مقالے پیشِ نظر تبصرے کا موضوع بھی ہیں۔ بقیہ نو مقالات میں سے پانچ تصوف کے مختلف مباحث کا احاطہ کرتے ہیں اور چار مقالات مختلف صوفیہ کے احوال و آثار اور ان کی تعلیمات سے متعلق ہیں۔

ملفوظاتی ادب پر مبنی مقالات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ فوائد السالکین۔ ایک تنقیدی جائزہ

۲۔ حضرت نظام الدین اولیاء۔ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے ملفوظات میں

۳۔ احسن الاقوال۔ حضرت بابا صاحب اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے حالات کا ایک اہم ماخذ

۴۔ دُررِ نظامی۔ حضرت بابا صاحب اور حضرت محبوب الٰہی کے حالات کا ایک ماخذ

پروفیسر نثار احمد فاروقی کا مجموعۂ ملفوظات نقدِ ملفوظات پہلی بار ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور کے اہتمام سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ ۲۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی سال اس کتاب کا انڈین ایڈیشن بھی اشاعت پذیر ہوا۔ بھارت میں اشاعت کا اہتمام مکتبۂ جامعہ، نئی دہلی نے کیا۔ صفحات کی تعداد ۲۶۲ ہے۔ یہ ملفوظاتی مقالات پاک و ہند کے مختلف جرائد میں چھپے اور کتابی صورت میں جلوگر ہونے سے قبل ہی چشتیہ ادب کے قارئین کے وسیع تر حلقے میں معروف ہوئے۔

☆ صدر شعبۂ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

پروفیسر نثار احمد فاروقی چشتیہ ماخذ اور مصادر پر بہت گہری نظر رکھتے تھے۔انھوں نے اس سلسلے کے کئی اہم متن بھی مرتب فرمائے اور کئی متون کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ان کے ملفوظاتی ادب پر مبنی کئی مقالے مختلف رسائل و جرائد میں مطبوع ہوئے اور ہنوز کتابی صورت میں مرتب نہیں ہوئے۔مختلف زبانوں میں مختلف موضوعات پر انھوں نے بہت کچھ لکھا،لیکن ان کے تحقیقی مقالات کا معیار اور وقار یکساں نہیں رہا۔وہ اکثر و بیشتر یادداشت کی بنیاد پر لکھتے تھے اور دورانِ تحقیق اصل ماخذ کی طرف مراجعت سے بے نیاز تھے۔یوں لگتا ہے جیسے انھوں نے مختلف اور متنوع کتابوں سے نوٹس لے رکھے تھے،اور دورانِ نگارش ان ہی سے وہ اخذ و استفادہ کرتے تھے۔اس ضمن میں جو بھی صورت رہی ہو،ان کے مقالات کا تحقیقی معیار بہر حال متاثر ہوا۔ضرورت اس امر کی تھی کہ مابعد کے مطالعاتی افادات اور تحقیقات کی روشنی میں ان مقالات کو بارِ دگر دیکھا جاتا اور تاریخی اور زمانی اغلاط اور تسامحات کی درستی کی جاتی اور نظرِ ثانی کے بعد کتابی صورت میں ان کی جلوہ گری کا سامان کیا جاتا،مگر وہ اس جانب متوجہ نہیں ہوئے اور ان مقالات میں مختلف نوع کی غلطیاں راہ پا گئیں۔

ذیل میں ملفوظاتی ادب پر لکھے گئے ان کے متذکرہ بالا چار مقالات کے علمی،فکری اور تاریخی تسامحات کا مقالہ وار جائزہ لیا جائے گا،تاکہ ان تسامحات کی نہ صرف نشاندہی کی جا سکے، بلکہ مستند اور بنیادی مآخذ کی روشنی میں اصل کی طرف مراجعت بھی کی جائے۔

[۲]

ا۔فوائد السالکین۔ایک تنقیدی جائزہ

یہ مقالہ سولہ صفحات (ص۴۷تا۶۲) پر مشتمل ہے۔اس میں پروفیسر نثار احمد فاروقی نے مختلف دلائل قائم کر کے اس مجموعۂ ملفوظات کو جعلی اور وضعی قرار دیا۔پروفیسر صاحب موصوف پہلے محقق نہیں،جنھوں نے اس مجموعے پر حرف گیری کی ہو،کیونکہ ان سے قبل اس طرزِ تحقیق کی بنیاد پروفیسر محمد حبیب (م۱۹۷۱ء) کے ایک مقالے بعنوان:

Chishti Mystic Records of the Sultanate Period(1)

سے پڑی اور پھر یہ نقطۂ نظر مشرق اور مغرب کے کئی محققین کے دائرۂ تحقیق تک پھیل گیا۔ پروفیسر فاروقی اس نکتے سے یقیناً بے خبر نہیں تھے کہ جنوبی ایشیا کے صوفی ادب کا کوئی ایک بھی مجموعۂ ملفوظات ایسا نہیں، جو الحاق، تحریف اور اغلاط سے محفوظ رہا ہو اور کاتبوں نے اس کی کتابت میں گل نہ کھلائے ہوں اور ہر نوع کی غلطیوں کو رواج نہ دیا ہو۔ عرفِ عام میں ملفوظاتی ادب پر مشتمل مستند اور محقق مجموعے (مثلاً: فوائد الفواد، خیر المجالس اور سیر الاولیاء وغیرہ) بھی جب تاریخی، واقعاتی اور علمی و لسانی اغلاط سے پاک اور مبرا نہیں، تو پھر فوائد السالکین اور اس قبیل کے دوسرے ملفوظاتی مجموعوں (انیس الارواح، دلیل العارفین، اسرار الاولیاء، راحت القلوب، افضل الفوائد اور مفتاح العاشقین) پر یک قلم خطِ تنسیخ کیونکر کھینچ دیا جاتا ہے؟ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس (اور اس جیسی دوسری متذکرہ بالا کتابوں) کے معلوم اور محفوظ نسخوں کی مدد سے ایک انتقادی متن تیار کیا جائے۔ اس طرح اس نوع کے تقابلی مطالعاتِ متن کی وجہ سے کئی مغالطے رفع ہو جائیں گے۔

بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں اس طرز کی کتابوں کے متون اور اردو تراجم شائع ہوئے۔ اصل متون کو انتقادی اصول وضوابط کی روشنی میں پرکھا نہیں گیا۔ محض عقیدت اور محبت کی بنیاد پر ان کتابوں کی اشاعت عمل میں لائی گئی۔ بعد ازاں یہی متون اور ان کے تراجم ان محققین کے تحقیقی مطالعات کی اساس قرار پائے۔ ان محققین نے ان کتابوں کے قلمی اور خطی نسخوں سے استفادہ نہیں کیا اور ما حضر ہی پر تحقیقی مطالعات کی بنا اُٹھائی، جس کی وجہ سے ان محققین کے نتائجِ تحقیق یک رخے اور اکہری معنویت کے حامل ہونے کی بنا پر قابلِ قبول نہیں رہے۔

راقم کی تحقیق کے مطابق: فوائد السالکین کا فارسی متن تین بار (۲) اشاعت پذیر ہوا۔ اس کے تین اردو ترجمے (۳) بھی شائع ہوئے۔ دنیا کے مختلف کتب خانوں میں اس کے ۲۷ خطی نسخے (۴) بھی محفوظ ہیں۔ شاید اور بھی ہوں، لیکن ہنوز راقم ان کی موجودگی سے آگاہ نہیں۔ اس کتابِ مستطاب کا قدیم ترین حوالہ شیخ برہان الدین غریب (م ۷۳۸ھ) کے مرید اور دامن گرفتہ خواجہ رکن الدین دبیر کی کتاب شمائل الاتقیاء (۵) میں مذکور ہوا۔ یہ کتاب خواجہ برہان الدین

غریب کی مبارک زندگی میں لکھی گئی۔ اس کے مصنف نے اس کتاب جمیل کا دیباچہ اپنے شیخ کی ایک مجلس (۶) میں ہدیہ سامعین کیا۔ شیخ نے بھی اسے توجہ اور دلچسپی سے سماعت فرمایا اور کتاب اور صاحبِ کتاب کے لیے برکت اور زندگیِ جاوداں کی دُعا مانگی۔ دُعا مقبول ہوئی اور اتنے زمانے گزر جانے کے بعد بھی کتاب اور صاحبِ کتاب زندۂ جاوید ہیں۔ اس دیباچے میں مصنف نے اپنے مآخذ اور منابع کا ذکرِ خیر بھی کیا، جن میں فوائد السالکین کا نام بھی شامل تھا۔ اگر واقعتاً یہ کتاب (فوائد السالکین) وضعی اور جعلی ہوتی تو شیخ برہان الدین غریب یقیناً اپنے مرید اور نیاز مند کو اس کتاب کو بطور ماخذ اور مصدر شامل کرنے سے منع فرماتے۔ شیخ برہان الدین غریب علومِ ظاہری اور باطنی کے بے بدل اور بے مثال عالم تھے۔ ان کی فکری اور روحانی تربیت خواجہ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) کی بارگاہِ عرش مقام میں ہوئی اور وہ ایک ایسے خانوادے کے فردِ فرید تھے، جس کا عرفانی رشتہ اور فکری رابطہ شیخ شیوخ العالم فریدالدین مسعود گنج شکر (م ۶۷۰ھ) سے بہت گہرا اور بہت نیاز مندانہ تھا۔ ان کے سگے ماموں خواجہ جمال الدین ہانسوی اور ماموں زادے بابا فرید کے خلیفہ تھے۔ شیخ برہان الدین غریب اپنے عہد اور اس سے ماقبل کے چشتی ملفوظاتی سرمائے سے باخبر تھے۔ اگر خدانخواستہ یہ مجموعۂ ملفوظات جعلی ہوتا تو وہ ضرور اس کتاب کے اقتباسات نقل کرنے سے منع فرماتے، لیکن انھوں نے اس کتاب (اور اس کے پہلو بہ پہلو دلیل العارفین اور راحت القلوب) کا ذکرِ خیر سنا، خوش وقت ہوئے اور اس پر صاد فرمایا۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس کتاب کے کئی مندجات فوائد الفواد، خیرالمجالس اور سیر الاولیاء میں مذکور ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ان کتابوں میں فوائد السالکین کا نام کہیں بھی نہیں آیا، لیکن اس کے مندرجات کی روشنی اور خوشبو ان کتابوں کے آنگن میں جلوہ آرا ہے۔ جب اس کتاب کے اقتباسات معمولی لفظی تبدیلیوں کے ساتھ ان کتابوں میں نقل ہو رہے ہیں تو پھر کیا عذر باقی رہ جاتا ہے کہ اس کتاب کو جعلی اور وضعی قرار دیا جائے۔ نقل در نقل کی وجہ سے اس عہد کی دیگر مستند اور معتبر کتابوں میں بھی سنہ و سال اور مہ و ایام کا تفاوت مل جاتا ہے، لیکن ان تغیرات اور اغلاط کی بنیاد پر وہ کتابیں استناد کے بلند مقام سے نیچے

نہیں آتیں، جبکہ روایات کی صداقت اور کیفیات کی خوش آہنگی کے باوصف فوائد السالکین اور دوسرے مجموعہ ہائے ملفوظات طاقِ ابد پر جلوہ گر نہیں ہو پاتے۔ این چہ بوالعجبیست

فوائد السالکین پر جتنے بھی اعتراضات پروفیسر نثار احمد فاروقی نے اپنے اس مقالے میں قائم کیے، ان کے مسکت جوابات آئینۂ ملفوظات (۷) کے فاضل مصنف علامہ اخلاق حسین دہلوی (م ۱۹۹۴ء) دے چکے ہیں۔ قارئین اس سلسلے میں ان کا مقالہ فوائد السالکین کا مطالعہ (ص ۹۶ تا ۱۴۰) ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ ان دونو مقالات کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر نثار احمد فاروقی کی اس باب میں خامہ فرسائی رائیگاں گئی اور ان کا تحقیقی اسلوب کسی خوش کن بیانیے کا اظہار یہ نہیں بن پایا۔

۲۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ۔ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے ملفوظات میں

اس مقالے کی تحریر و تسوید میں پانچ کتابوں سے اخذ و استفادہ کیا گیا، لیکن لطف کی بات یہ کہ ان پانچ کتابوں میں سے دو کتابیں (کشکولِ کلیمی اور مکتوباتِ کلیمی) ملفوظاتی ادب پر مشتمل نہیں۔ بقیہ تین ملفوظاتی مجموعوں میں مجالسِ حسنہ، خلاصۃ الفوائد اور انوار الصفی فی اظہار اسرار الجلی و الخفی شامل ہیں۔ اس مقالے میں جس مواد پر تحقیقی مطالعے کی بنیاد اُٹھائی گئی، اس میں سے چالیس فیصد مواد موضوع سے براہِ راست متعلق نہیں۔ پیشِ نظر صورت میں، یا تو عنوانِ مقالہ میں 'سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے ملفوظات میں' کے بجائے 'سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے علمی و ادبی سرمائے میں' کے الفاظ ہونے چاہییں تھے، یا پھر دیگر ملفوظاتی مجموعوں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری تھا۔ موجودہ صورت میں یہ عنوان مقالے کے موضوع کا حق ادا نہیں کر رہا۔ دوسرا یہ کہ جن تین ملفوظاتی مجموعوں کو اس مقالے کی اساس بنایا گیا، ان کے تعارفیے میں بھی ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں۔

مجالسِ حسنہ:

(۱) ''۔۔۔۔۔۔اصل کتاب [مجالسِ حسنہ] فارسی میں ہے اور غالباً آج تک شائع نہیں ہوئی، مگر اس کا اردو ترجمہ جو کل ۴۴ صفحوں میں آیا ہے، عرصہ ہوا لاہور سے چھپ گیا تھا۔'' (۸)

تبصرہ: یہ رسالہ ۴۴ نہیں، ۴۶ ص پر مشتمل ہے۔ ترجمہ ۴۳ ص میں آیا ہے۔ آخری تین صفحوں پر ادارے کی مختلف مطبوعہ کتابوں کے کوائف اشتہار کی صورت میں دیے گئے ہیں۔

(۲) ''ان [شیخ کمال الدین علامہ] کا انتقال ۲۷/ذیقعدہ ۷۵۶ھ کو ہوا۔ دہلی میں اپنے پیرومرشد کے جوار میں مدفون ہیں۔'' (۹)

تبصرہ: شیخ کمال الدین علامہ نے اپنے مرشد خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی (م ۷۵۷ھ) کی زندگی میں انتقال فرمایا۔ وہ اپنے شیخ کے جماعت خانے ہی میں دفن ہوئے۔ فاروقی صاحب کے جملے سے شبہ ہوتا ہے کہ گویا شیخ کی رحلت کے بعد جب وہ فوت ہوئے تو انھیں شیخ کے جوار میں دفن کیا گیا۔

(۳) ''ان [شیخ سراج الدین] کے فرزند شیخ علم الدین چشتی تھے، جنھوں نے اپنے والد کے علاوہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز سے بھی خرقہ پایا اور ۲۶/صفر ۸۱۹ کو انتقال فرمایا۔ ان کے فرزند اور جانشین حضرت شیخ محمود راجن (وفات ۲۲/صفر ۹۰۰ھ) ہوئے۔ انھیں حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت سے بھی خرقہ ملا۔'' (۱۰)

تبصرہ: اس اقتباس میں دو غلطیاں موجود ہیں۔ ایک تو یہ کہ فاروقی صاحب نے شیخ علم الدین کا سنۂ وصال غلط لکھ دیا اور کوئی حوالہ بھی نہیں دیا کہ ان کا مصدر اور ماخذ کیا ہے؟ درست سنۂ وصال ۸۰۹ھ ہے اور سلسلے کے تمام بنیادی مآخذ اس پر دال ہیں۔ دوسرا یہ کہ شیخ محمود راجن کو مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کا تربیت یافتہ قرار دیا گیا۔ فاروقی صاحب یہ بات رواروی میں لکھ گئے اور اس تاریخی مغالطے کی طرف توجہ نہیں دی کہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت ۷۰۷ھ کو پیدا ہوئے اور ۷۸۵ھ کو وفات فرما گئے۔ شیخ محمود راجن کا زمانۂ حیات نویں صدی ہجری کا ہے۔ اب اس تاریخی اور زمانی تناظر میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ انھیں مخدوم سے خرقۂ خلافت ارزانی ہوا ہو؟

(۴) پروفیسر نثار احمد فاروقی نے صاحبِ ملفوظات کا شجرۂ نسب (جو ان کا شجرۂ طریقت بھی ہے) مرتب کیا، لیکن افسوس کہ یہ شجرہ نہ صرف غلطیوں سے پُر ہے، بلکہ نامکمل بھی ہے اور گمراہ کن بھی۔ انھوں نے کئی نام غلط بھی لکھے (جیسے: شیخ احمد میاں جیو کی بہن کا نام بی بی جوترہ کے بجائے چوترہ

لکھا اور ان کو میاں جیو کی بیٹی قرار دیا۔) اور کئی اہم نام چھوڑ بھی دیے (مثلاً: شیخ علم الدین کے صاحبزادے شیخ محمود راجن اور پوتے شیخ جمال الدین جمن)۔ کہیں بھائی کو بیٹا لکھ دیا (مثلاً: ابومحمد، شیخ احمد میاں جیو کے بھائی تھے، بیٹے نہ تھے) اور کہیں پھوپیاں بہنیں بن گئیں (جیسے: بی بی خوترہ اور بی بی جوترہ شیخ حسن محمد کی پھوپیاں تھیں، بہنیں نہیں۔)

(۵) ''کتاب کے جامع شیخ محمد چشتی ۔۔۔صاحبِ تصانیفِ کثیرہ ہیں۔ان کے چہل و دو رسائل مشہور ہیں، مگر اب بیشتر تصانیف ناپید ہیں۔''(۱۱)

تبصرہ: شیخ محمد چشتی کے چہل و دو رسائل ناپید نہیں، بہت عام ہیں۔ان رسائل کے خطی نسخے پاک و ہند کے مختلف کتب خانوں میں موجود اور محفوظ ہیں۔لطف کی بات یہ کہ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی ایک خانقاہ معظم آباد شریف (ضلع سرگودھا) میں یہ سارے رسائل یکجا بھی محفوظ ہیں۔ حیرت ہے کہ فاروقی صاحب جیسے کتاب شناس کے مقالے میں ان کتابوں کی نایابی اور عدم دستیابی کا مذکور ہوا۔

خلاصۃ الفوائد:

خلاصۃ الفوائد قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی (م ۱۲۰۵ھ) کے ملفوظات کا بیش بہا مجموعہ ہے۔اس مجموعے کے مرتب اور جامع قاضی محمد عمر حکیم قبلۂ عالم غریب نواز کے دامن گرفتہ اور صحبت یافتہ تھے۔اس مجموعے کے نو خطی نسخوں کے عکس راقم کی دسترس میں ہیں، جو پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔اس کے چار اردو تراجم بھی ہو چکے ہیں۔راقم نے اس مجموعے کے مختلف نسخوں کے تقابلی مطالعے کی روشنی میں اس کا ایک انتقادی متن بھی تیار کیا، جو عنقریب اشاعت پذیر ہوگا۔اس مجموعے کے مختلف نسخوں کے متن میں کسی طرح کا بھی کوئی معنوی تغیر اور تبدل نہیں ہوا۔البتہ لفظی اور افعالی تغیرات کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔پروفیسر نثار احمد فاروقی کے زیرِ نظر جو مخطوطہ رہا ہے، وہ خلاصۃ الفوائد کا تو یقیناً نہیں، نافع السالکین کا ہے۔معلوم نہیں کیوں انھوں نے اس مجموعے کو خلاصۃ الفوائد سمجھا اور اس مجموعے کے حوالے سے اقتباسات نافع

السالکین سے نقل کر دیے۔ ان کی اس غلطی کی نشاندہی پہلی بار راقم نے اپنے ایک مقالے بعنوان خلاصۃ الفوائد۔ سلسلۂ چشتیہ کا ایک اہم مجموعۂ ملفوظات میں کی ۔(رک: راقم کا مجموعۂ مقالات: محرابِ تحقیق: ادارہ یادگارِ غالب، کراچی: ۲۰۱۲ء)

انوار الصفی فی اظہار اسرار الجلی والخفی:

یہ کتاب کوششِ بسیار کے باوجود راقم کی دسترس میں نہیں آئی ۔لہٰذا فاروقی صاحب کے مقالے کے اس حصے پر کسی نوعیت کی تنقید نہیں کی جاسکتی۔ اگر کبھی یہ کتاب میسر آ گئی تو راقم اس کی روشنی میں مقالے کے اس حصے کو بھی اپنے نقد و نظر کا موضوع بنائے گا۔

۳۔احسن الاقوال۔ حضرت بابا صاحب اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے حالات کا ایک اہم ماخذ

احسن الاقوال خواجہ برہان الدین غریب کے ملفوظات کا نہایت ہی اہم اور گراں ارزش مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کے مرتب اور جامع ان کے دست گرفتہ اور فیض یافتہ حماد الدین کاشانی تھے۔ انھوں نے فوائد الفواد کے اسلوب اور انداز سے ہٹ کر ایک نئی طرزِ اظہار کی راہ نکالی اور اپنے پیرو مرشد کے ملفوظات کو موضوعات کے ذیل میں جمع اور مرتب کیا۔ اس مجموعے کے اسلوب اور تکنیکی آہنگ کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ مجموعہ اپنے اظہارِ نگارش میں ایک نئے اسلوب کا ترجمان ہے۔ اس طرز اور اسلوب کی پیروی اور اتباع میں بعد ازاں علی بن محمود جاندار کا مرتبہ مجموعۂ ملفوظات درِ نظامی بھی اپنے فنی اور تکنیکی حوالے سے احسن الاقوال کے رنگ و آہنگ کی چھب دکھاتا ہے۔ بعد ازاں بھی اس مجموعے کی پیروی میں کئی ملفوظاتی مجموعے مرتب ہوئے ۔انیسویں صدی کے ایک بہت بڑے چشتی نظامی شیخ، خواجہ شمس الدین سیالوی (۱۳۰۰ھ) کا مجموعۂ ملفوظات مرآۃ العاشقین بھی احسن الاقوال کے رنگِ نگارش اور اسلوبِ ترتیب کی یاد دلاتا ہے۔

(۱) یہ مقالہ چونتیس صفحات (۹۳ تا ۱۲۶) پر مشتمل ہے۔ صاحبِ مقالہ نے اس مقالے

کے ابتدائی صفحات میں احسن الاقوال، شیخ برہان الدین غریب، خواجہ حمادالدین کاشانی، اخبار الاخیار (از حمید قلندر) اور خیر المجالس کا تعارف کرایا اور بعد ازاں انھوں نے احسن الاقوال میں بابا صاحب اور نظام الدین اولیاء کے جتنے بھی حوالے آئے، انھیں مرتب کر دیا۔ انھوں نے اس مقالے میں یہ نہیں بتایا کہ وہ یہ حوالے احسن الاقوال کے کس نسخے سے نقل کر رہے ہیں۔ یہ بات تو یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اس مجموعے کا کوئی خطی نسخہ ان کے پیشِ نظر نہیں رہا، جیسا کہ مقالے کے ایک حاشیے میں انھوں نے تاریخِ مشائخِ چشت کے حوالے سے لکھا:

''اس کے قلمی نسخے بہت کم ملتے ہیں۔ راقم الحروف کے علم میں صرف ایک نسخہ ہے، جو پروفیسر محمد حبیب مرحوم کے کتب خانے میں تھا۔'' (۱۲)

لطف یہ کہ اس مجموعے کا ایک مکمل اور خوانا نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے کی زینت ہے اور وہ اس سے بے خبر ہیں۔ انھوں نے اس مجموعے کے ایک اردو ترجمے کا ذکر بھی کیا ہے۔ امکان تو یہی ہے کہ اقتباسات کی نقل نویسی کے دوران میں ان کا ماخذ یہی ترجمہ رہا ہوگا۔

(۲) احسن الاقوال کے مرتب اور جامع چار بھائی تھے اور چاروں بھائی اپنی والدہ ماجدہ سمیت شیخ برہان الدین غریب کے دامن گرفتہ اور فیض یافتہ تھے، لیکن پروفیسر نثار احمد فاروقی نے لکھا:

''ان کے مرتب خواجہ حماد کاشانی تھے۔ یہ خواجہ عماد کاشانی کے فرزند ہیں ۔۔۔ ان کے دو بھائی خواجہ مجد الدین کاشانی اور خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی بھی حضرت خواجہ برہان الدین غریب سے بیعت تھے۔'' (۱۳)

۴۔ دررِ نظامی۔ حضرت بابا صاحب اور حضرت محبوب الٰہی کے حالات کا ایک ماخذ

دررِ نظامی مولانا علی بن محمود جاندار کا مرتبہ مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ تیس ابواب پر مشتمل ہے۔ مرتبِ ملفوظات حضرت نظام الدین اولیا کے مرید اور دامن گرفتہ تھے۔ وہ ۱۳۔ رمضان المبارک ۷۰۸ھ کو حلقہ بگوش ہوئے۔ یہ مجموعہ اصلاً فارسی زبان میں ہے اور ابھی تک اشاعت پذیر نہیں ہوا۔ البتہ اس کا اردو ترجمہ بعنوان دررِ نظامی موسومہ گفتارِ محبوب ۱۹۶۵ء میں کتب خانہ

نذیر یہ، دہلی کے اہتمام سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ اس کے مترجم محمد یٰسین علی ہیں۔ ترجمہ ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس ترجمے کے اب تک کئی ایڈیشن برِ صغیر پاک و ہند سے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ فاروقی صاحب نے اس کتاب پر اڑتیس صفحات (ص ۱۲۷۔۱۶۴) کا ایک مقالہ قلمبند کیا۔ اس مقالے میں کتاب اور صاحبِ کتاب کا تعارف بھی کرایا گیا اور درر نظامی کا فوائد الفواد کے ساتھ ایک تقابلی جائزہ بھی لیا گیا۔ مقالے میں دررِ نظامی سے پینسٹھ (۶۵) ایسے اقتباسات نقل کیے گئے، جن میں بابا صاحب اور ان کے مرید اور خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیاء کا ذکرِ خیر آیا۔ انھوں نے پورے مقالے میں کہیں بھی اس راز سے پردہ نہیں اُٹھایا کہ ان کے سامنے دررِ نظامی کا کون سا نسخہ موجود ہے؟ یہ تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کا اصل متن تو کبھی ان کے سامنے نہیں رہا۔ یقیناً انھوں نے اس کتاب کے مترجمہ ایڈیشن سے استفادہ کیا، لیکن انھوں نے کہیں اس کا اظہار نہیں کیا۔ ان سے اس کتاب کے تعارفیے میں غلطیاں سرزد ہوئیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) ''دررِ نظامی کا فارسی متن ابھی تک غیر مطبوعہ ہے اور اس کا واحد قلمی نسخہ کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں بتایا جاتا ہے۔'' (۱۴)

تبصرہ: ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں اس مجموعے کے منحصر بہ فرد ہونے کی اطلاع فاروقی صاحب نے پروفیسر محمد حبیب کی کتاب حضرت نظام الدین اولیاء۔ حیات اور تعلیمات (۱۹۷۰ء: ص ۴) کے حوالے سے دی ہے، لیکن افسوس کہ یہ اطلاع بھی غلط ہے۔ پروفیسر محمد حبیب بیسویں صدی کے ایک بڑے تاریخ دان ضرور تھے، مگر انھیں صوفی ادبیات پر اتنی قدرت حاصل نہیں تھی اور نہ ہی انھیں اس موضوع سے دلی اور فکری مناسبت تھی۔ وہ عمومی تاریخی آداب کی روشنی میں صوفی ادب کو دیکھنے میں کوشاں رہے اور یوں ان کا کام تحقیقی حوالے سے متاثر ہوا۔ ان کے سامنے نہ ہی بنیادی اور اساسی ماخذ موجود تھے اور نہ ہی انھوں نے ان تک رسائی کی سعی کی۔ حالانکہ ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں یہ آثار بکھرے ہوئے تھے، لیکن ان منابع اور مصادر

میں دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے اس جانب توجہ نہیں دی۔ درر نظامی کا ایک نسخہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے کتب خانے میں بھی موجود ہے، جہاں پروفیسر صاحب برسوں شعبۂ تاریخ سے وابستہ رہے۔(ملاحظہ ہو اس نسخے کے کوائف: درر نظامی : مخزونہ مولانا آزاد کلیکشن، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ: شکستہ نستعلیق: ۱۱۸ برگ/۱۵سطور)۔اس کتاب کے اور بھی کئی قلمی نسخے موجود ہیں، دیکھیے :

دررِنظامی: مخزونہ نیشنل لائبریری آف انڈیا، کلکتہ: نستعلیق: ۱۵۴ برگ/۱۳سطور

دررِنظامی: مخزونہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۱۶ اوراق/۱۹ سطور فی صفحہ :۱۳ویں صدی ھ: نستعلیق (فہرست نگار نے اس کا نام دررِنظامی لکھا ہے۔ممکن ہے یہ کتابت کی غلطی ہو۔رک: مرأۃ العلوم۔ جلد پنجم: ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن (مرتب): خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۲۰۱۰ء: ص ۴۵)

دررِنظامی: مخزونہ سالارِ جنگ میوزیم، حیدرآباد (سید محمد تنویرالدین نے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لیے اس کتاب کا انتقادی متن تیار کیا تھا۔)۔مقالے کے کوائف ملاحظہ ہوں:

TH4624p891.55T69C : A Critical Study and Editing of Durar e Nizami : Syed Muhammad Tanveer ud din: Department of Persian, Osminia University, Hyderabad: 1997: 283p

پروفیسر خلیق احمد نے اس مجموعے کے دو خطی نسخوں کا تذکرہ کیا ہے جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کلکتہ) اور سالارِ جنگ میوزیم (حیدرآباد) میں موجود ہیں، لیکن انھوں نے اس رسالے کا نام دُررِنظامیہ لکھا ہے، جو درست نہیں۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی بھی، یا تو اس کتاب کے نام سے مکمل طور پر آگاہ نہیں تھے، یا پھر نام ان کے نزدیک کچھ زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا۔وہ کہیں اسے درر نظامی کہتے ہیں اور کہیں اسے دررِنظامیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

"یہ بات دررِنظامیہ اور سیر الاولیاء میں بھی ملتی ہیں۔" (۱۵)

"کمتر روایات ایسی ہیں، جو دررِنظامیہ کے سوا کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتیں۔" (۱۶)

حالانکہ اس کا درست اور صحیح نام دررِ نظامی ہے، دررِ نظامیہ ہرگز نہیں۔ ہر دو بزرگوں سے اس کے نام کی ترقیم میں غلطی ہوئی۔

(۲) بابا فرید اور ان کے پیر و مرشد کے سنۂ وصال کے حوالے سے دیکھیے:

i) ''۔۔۔۔اور ضمناً اس میں بہت کچھ معلومات حضرت فریدالدین گنج شکر (ف ۶۶۴ھ) اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (ف ۶۳۴ھ) کے بارے میں آگئی ہیں۔'' (۱۷)

ii) ''بابا صاحب ۵ر محرم ۶۶۴ھ کو محبوبِ حقیقی سے واصل ہوئے۔'' (۱۸)

iii) ''ہمیں معلوم ہے کہ انھوں [بابا صاحب] نے ۶۶۴ھ میں انتقال فرمایا ہے۔۔۔۔اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے انتقال کے وقت (۶۳۴ھ) آپ ہانسی میں تشریف فرما تھے۔'' (۱۹)

تبصرہ: فاروقی صاحب نے اس کتاب میں ہر جگہ بابا صاحب اور ان کے پیر و مرشد کا سنۂ وصال غلط لکھا۔ قدیم مآخذ اور منابع سے پتا چلتا ہے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالدین مسعود ۵ر محرم ۶۷۰ھ کو واصل بحق ہوئے۔ انھیں قدیم منابع کی روشنی میں فیروزالدین احمد فریدی نے فرید الدین مسعود گنج شکر کے سالِ وصال کی تحقیق کے عنوان سے ایک بھرپور کتاب رقم فرمائی، جس میں انھوں نے بہ دلائل ثابت کیا کہ بابا صاحب کا سالِ وصال ۶۷۰ھ ہے۔ فریدی صاحب سے قبل چشتی ملفوظات اور ادبیات کے ماہر علامہ اخلاق حسین دہلوی نے بھی اپنی مایہ ناز کتاب آئینۂ ملفوظات میں بابا صاحب کا یہی سالِ وصال اخذ کیا تھا، لیکن اس سنہ کے برعکس پروفیسر صاحب کی اس کتاب اور دیگر تحریرات میں مختلف سنہ ہائے وصال دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا سنۂ وصال ۱۴ر ربیع الاول ۶۳۳ھ کے بجائے ۶۳۴ھ لکھا اور اس کی کوئی توجیہہ نہیں کی۔ حالانکہ اسی مقالے میں ایک جگہ انھوں لکھا:

''حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے جس محفلِ سماع میں انتقال فرمایا ہے، اس کا بیان فوائد الفواد میں ہے اور دررِ نظامی میں کئی جگہ ہے اور اس میں تاریخِ انتقال واضح طور پر ۱۴ر ربیع الاول ۶۳۳ھ درج ہے، جو فوائد الفواد میں نہیں ہیں۔'' (۲۰)

اگر دُرِرِ نظامی میں قطب صاحب کی 'تاریخِ انتقال واضح طور پر ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ' درج ہے تو پھر اسے قبول نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ بعض اوقات تو یوں لگتا ہے جیسے کہ صحیح سنہ وسال کی ترقیم پروفیسر صاحب کا مسئلہ نہیں، کیونکہ ان کے ہر مقالے/کتاب میں یہ حوالے بدلتے رہتے ہیں۔

(۴) ''خیر المجالس کا سنہ تالیف ۶۵۵ھ، ۶۵۶ھ ہے۔'' (۲۱)

تبصرہ: خیر المجالس کا سنہ تالیف ۷۵۵ھ، ۷۵۶ھ ہے۔ عدم دلچسپی کی وجہ سے پوری ایک صدی کا فاصلہ حائل ہو گیا، مگر ہمارے محقق کی توجہ اس جانب مبذول نہیں ہوئی۔

دُرِرِ نظامی اور فوائد الفواد:

پروفیسر نثار احمد فاروقی نے دُرِرِ نظامی اور فوائد الفواد کا تقابل بھی کیا، لیکن اس تقابلی مطالعے کے دوران میں انھوں نے کوئی واضح اور شفاف انداز اختیار نہیں کیا، جس کی وجہ سے کئی گرہیں پڑ گئیں۔ اس تقابل سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دُرِرِ نظامی کے مؤلف نے خواجہ نظام الدین اولیاء کی مجالس سے براہِ راست کسبِ فیض کیا، یا فوائد الفواد سے اخذ واستفادہ کیا، کیونکہ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے کہیں یہ فرمایا کہ دُرِرِ نظامی کے ابواب فوائد الفواد کی مجالس سے ضیا بار ہیں۔ دیکھیے:

''امیر حسن سجزی نے حضرت کے ملفوظات کو مجلس وار اور تاریخی ترتیب سے قلمبند کیا ہے اور مؤلفِ دُرِرِ نظامی نے اسی مواد کو تیس مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا ہے، لیکن کتاب میں کہیں بھی فوائد الفواد یا سیر الاولیاء کا حوالہ نہیں آیا ہے۔'' (۲۲)

اور کہیں ان کا یہ ارشاد نظر نواز ہوتا ہے:

''بعض مقامات پر فوائد الفواد کا متن نسبتاً ناقص اور دُرِرِ نظامی کا اس کے مقابلے میں بہتر ہے۔'' (۲۳)

اگر یہ کتاب (دُرِرِ نظامی) فوائد الفواد کی 'مجلس وار اور تاریخی ترتیب' سے منضبط ہوئی اور اُسی مواد کو تیس ابواب میں 'تقسیم' کیا گیا تو پھر بعض مقامات پر فوائد الفواد کے مقابلے میں دُرِرِ نظامی کا متن کیسے کامل اور بہتر ہو گیا؟ پروفیسر صاحب موصوف نے اس قضیے کی کوئی توجیہہ پیش تو

نہیں فرمائی، لیکن پندرہ ایسے مقامات کی نشاندہی ضرور کی، جہاں ان کی نظر میں اس کتاب کا متنِ متین فوائد الفواد سے بہتر ہے۔

[۳]

پیشِ نظر تبصرے میں چونکہ نقدِ ملفوظات کے ملفوظاتی ادب پر مبنی چار مقالات کا جائزہ مقصود تھا، اس لیے بقیہ مقالات سے صرفِ نظر کیا گیا۔ صوفیہ کے احوال و مناقب پر لکھے گئے مقالات میں بھی تاریخی اور تحقیقی اغلاط بکثرت موجود ہیں، لیکن یہاں ان سے بحث مطلوب نہیں۔ آئندہ کسی مطالعے میں ان مقالات کے تحقیقی تسامحات کا بھی جائزہ لیا جائے گا، تاکہ پوری کتاب کے محاسن اور معائب سامنے آسکیں۔ حیرت ہے کہ عہدِ جدید کی اتنی سہولیات اور وسائل کی موجودگی میں پروفیسر نثار احمد فاروقی جیسے بڑے محقق کی کتاب میں سنہ وسال کی اغلاط سے کوئی صفحہ 'محروم' نہیں۔ ان سہولیات کی موجودگی میں آج جب تحقیق و تدقیق کا یہ عالم ہے تو پھر اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ اُن زمانوں میں جب کاغذ کی قلت تھی اور وسائل میں بھی اتنی فراوانی نہ تھی۔ اچھے اور پڑھے لکھے کاتب بھی ہر ایک قاری اور کتاب شناس کو میسر نہ تھے تو ملفوظاتی ادب کی کتابوں میں اغلاط کا در آنا ایک فطری عمل تھا۔ ان اغلاط پر واویلا کرنے اور شور مچانے والے اس سے سبق لیں اور غور کریں کہ یہ غلطیاں کیونکر دبے پاؤں در آتی ہیں اور پھر کتاب کے آنگن میں ڈیرے ڈال لیتی ہیں۔

حواشی وحوالے:

(1) Politics and Society During Early Medieval Period (Collected Works of Professor Muhammad Habib): Vol.One:Edited by Professor K.A.Nizami:Centre of Advanced Study, Department of History, Aligarh Muslim University, Aligrah

(۲) فوائد السالکین کے مطبوعہ متن کی تفصیل:

i) فوائد السالکین: محمد عبدالاحد (مصحح): مطبع مجتبائی، دہلی: ۱۳۱۰ھ: ۳۶ص۔

ii) فوائد السالکین: بہ تصحیح مولوی اعجاز احمد و مولوی محمد عبد الاحد: مطبع مجتبائی، دہلی: ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء: ۳۶+۲=۳۸ص۔

(متن ۳۶ص پر مشتمل ہے ایک صفحہ کتابوں کے اشتہار پر مبنی ہے۔ افتخاری سلسلے کی ویب پر یہ نسخہ موجود ہے۔)

iii) فوائد السالکین: مطبع اسلامیہ، لاہور: ۱۹۱۱ء: ۴۰ص۔

(ہاتھی ٹرسٹ ڈیجیٹل لائبریری پر اس اشاعت کے کوائف موجود ہیں۔)

(۳) فوائد السالکین کے اردو تراجم:

i) مطلوب الطالبین (فوائد السالکین کا ترجمہ): مطبع مجتبائی، دہلی: ۱۸۹۸ء: ۳۶ص۔

ii) مطلوب الطالبین (فوائد السالکین کا ترجمہ): مطبع مجتبائی، دہلی: س ن: ۲۴ص۔

iii) ارشاد الصادقین (فوائد السالکین کا ترجمہ): محمد صادق چشتی قادری احمد پوری (مترجم) : ناشر مترجم خود، احمد پور شرقیہ: س ن: ۶۳ص۔

iv) فوائد السالکین (فوائد السالکین کا ترجمہ): اللہ والے کی قومی دکان، لاہور: ۱۹۵۵ء: ۳۲+۲=۳۴ص۔

v) فوائد السالکین (فوائد السالکین کا ترجمہ): اللہ والے کی قومی دکان، لاہور: ۱۹۵۷ء (؟): ۳۲ص۔

vi) فوائد السالکین (فوائد السالکین کا ترجمہ): اللہ والے کی قومی دکان، لاہور: س ن: ۲۹۔

(۴) فوائد السالکین کے خطی نسخوں کی تفصیل:

i) فوائد السالکین: مخزونہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: نستعلیق: ۵۵۔۵/۷ اوراق: تخمیناً ۱۹ء۔

[مرأۃ العلوم۔ جلد دوم: مولوی عبدالمقتدر (مرتب): خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۲۰۰۹ء: ص ۲۲]

ii) فوائد السالکین: مخزونہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: نستعلیق: ۱۲۸ اوراق: ۲۱ سطور فی صفحہ: ۱۰۹۶ھ۔

[مرأۃ العلوم۔ جلد سوم: سید اطہر شیر (مرتب): خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۲۰۰۷ء: ص ۲۷۳]

iii) فوائد السالکین: مخزونہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۱۲۸ اوراق: ۱۲ سطور فی صفحہ: ۱۳ ویں صدی ھ۔

[مرأۃ العلوم۔ جلد پنجم: ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن (مرتب): خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۲۰۱۰ء: ص ۶۲]

iv) فوائد السالکین: مخزونہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۱۲۸ اوراق: ۱۴ سطور فی صفحہ: ۱۳ ویں صدی ھ۔

[محولہ بالا: ص ۶۲]

v) فوائد السالکین: مملوکہ فقیر سید مغیث الدین، لاہور: نستعلیق: ۱۰۶۶ھ: ۶۴ برگ / ۱۷ س۔

[فہرستِ مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان۔جلد سوم: احمد منزوی: مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان: ۱۹۸۴ء: ص۱۷۶۶]

vi)فوائد السالکین: مملوکہ فقیر سید مغیث الدین ،لاہور: نستعلیق: سید موسیٰ رضا بن سید نورالحسن (کاتب): ۱۱۹۳ھ: ۴۴ص۔ [محولہ بالا: ص۱۷۶۶]

vii)فوائدالسالکین: مملوکہ مولانا محمد اسرائیل، مردان: نستعلیق شکستہ آمیز: سدۂ ۱۱ھ: ۱۰۰ص/۱۶س۔

[محولہ بالا: ص۱۷۶۶]

viii)فوائد السالکین: مملوکہ محمد اجمل چشتی فاروقی ،چشتیاں: نستعلیق :محمد بن علی قریشی چشتی فریدی :۱۱۳۱ھ: ۱۸۰ص۔

[محولہ بالا: ص۱۷۶۶]

ix)فوائدالسالکین: مملوکہ محمد اجمل چشتی فاروقی ، چشتیاں: نستعلیق پختہ: عزیز احمد بن رفعت بیگ (کاتب): سدۂ ۱۲ھ: ۳۶ص۔

[محولہ بالا: ص۱۷۶۶]

x)فوائدالسالکین: مخزونہ گنج بخش، اسلام آباد: نستعلیق پختہ: ایزدبخش (کاتب) ۱۷۔جمادی الثانی: ۱۱۶۹ھ۔

[محولہ بالا: ص۱۷۶۶]

xi)فوائدالسالکین: مخزونہ گنج بخش، اسلام آباد: نستعلیق پختہ: سدۂ ۱۲۔۱۳ھ: ۴۹ص۔

[محولہ بالا: ص۱۷۶۶]

xii)فوائدالسالکین: مخزونہ مکتبۂ چشتیہ، لائل پور: نستعلیق: مجتبیٰ خان در پشاور (کاتب) ۱۱۸۱ھ: ۱۷ص۔

[محولہ بالا: ص۱۷۶۶]

xiii)فوائدالسالکین: مخزونہ کتب خانہ رشیدیہ، لاہور: نستعلیق: ۱۱۳۵ھ: ۸۰ص۔

[محولہ بالا: ص۱۷۶۶]

xiv)فوائدالسالکین: مخزونہ کتب خانہ رشیدیہ، لاہور: شکستہ آمیز: محمد غوث (کاتب): ۱۲۲۰ھ۔

[محولہ بالا: ص۱۷۶۶]

xv)فوائدالسالکین: مخزونہ کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی، مکھڈ شریف: نستعلیق: سدۂ ۱۲ھ: ۱۰۴ص۔

[محولہ بالا: ص۱۷۶۶]

xvi)فوائدالسالکین: مخزونہ خانقاہِ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی، ڈیرہ اسمٰعیل خان: نستعلیق خوش: ۱۲۶۶ھ: ۶۶ص۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۶]

xvii) فوائد السالکین: مخزونہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی، ڈیرہ اسمٰعیل خان: نستعلیق خوش: محمد عیسیٰ (کاتب): ۱۲۸۰ھ۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۷]

xviii) فوائد السالکین: مخزونہ شیرانی کلیکشن، پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور: ۱۲۲۶ھ۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۶]

xix) فوائد السالکین: مملوکہ عطاء الرحمٰن کھوکھر، جھاوریاں، سرگودھا: نستعلیق شکستہ خوش: محمد اسحٰق (کاتب): ۱۲۷۵ھ: ۳۰ ص/ ۱۴س۔

[محولہ بالا: ص ۶۷۔۱۷۶۶]

xx) فوائد السالکین: مملوکہ عالمگیر شجاع، چوک وزیر خان، لاہور: نستعلیق: محمد عمر (کاتب): ۹/ ذیقعدہ ۱۲۷۸ھ در لاہور: ۶۷ ص۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۷]

xxi) فوائد السالکین: مملوکہ مولانا قدرت اللہ، بھلوال: نستعلیق شکستہ آمیز: ۱۲۸۱ھ: ۶۲ ص۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۷]

xxii) فوائد السالکین: مخزونہ آستانہ سلیمانیہ، تونسہ شریف: نستعلیق پختہ: خدا بخش تونسوی (کاتب): ۲۸/ شوال ۱۲۸۸ھ۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۷]

xxiii) فوائد السالکین: مملوکہ گلزار احمد چک ۸۴ شمالی، بھلوال: نستعلیق خوش: مسکین راج محمد (کاتب): ۱۲۸۹ھ: ۷۸ ص۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۷]

xxiv) فوائد السالکین: مملوکہ صاحبزادہ نور جہانیاں، چشتیاں: نستعلیق پختہ: ۱۳۰۸ھ۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۷]

xxv) فوائد السالکین: ذخیرۂ ربانی، لاہور: نستعلیق: سدۂ ۱۳ھ: ۱۱ برگ۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۷]

xxvi) فوائد السالکین: درگاہِ عالیہ گولڑہ شریف: نستعلیق: سدۂ ۱۳ھ: ۴۶ ص۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۷]

xxvii) فوائد السالکین: مخزونہ شیرانی کلیکشن، پنجاب یونیورسٹی، لاہور: تاریخ یادنشدہ۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۷]

xxviii) فوائد السالکین: مخزونہ شیرانی کلیکشن، پنجاب یونیورسٹی، لاہور: تاریخ یادنشدہ۔

[محولہ بالا: ص ۱۷۶۷]

xxix) فوائد السالکین: مخزونہ کتب خانہ درگاہِ عالیہ چشتیہ احمد آباد، گجرات: نستعلیق: برگ ۳۴/۱۱ سطور۔

[شمارۂ کتاب: ۶/۷ رشمارۂ میکروفیلم: ۵۸]

xxx) فوائد السالکین: مخزونہ کتب خانہ درگاہ پیر محمد شاہ احمد آباد، گجرات: نستعلیق: ۱۰۸۰ھ: ۱۶ برگ/۲۵ سطور۔

[شمارۂ کتاب: ۲۹۱ رشمارۂ میکروفیلم: ۶۶/۴]

xxxi) فوائد السالکین: مخزونہ ذخیرۂ مولانا آزاد، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ: نستعلیق: برگ ۱۵/۲۲ سطور۔ [شمارۂ کتاب: ۱۶۵۸۔ کتابخانہ مولانا آزاد، دانشگاہِ اسلامی، علی گڑھ۔ جلد اول رشمارۂ میکروفیلم: ۵/۴۱۳]

xxxii) فوائد السالکین: مخزونہ کتب خانہ ایوانِ غالب، دہلی: شکستہ: ۶ برگ/۳۱ سطور۔

[شمارۂ کتاب: ۹/۷ رشمارۂ میکروفیلم: ۱۲/۳]

xxxiii) فوائد السالکین: مخزونہ مولانا آزاد کلیکشن، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ: نستعلیق: ۲۲ برگ/۱۵ سطور۔

xxxiv) فوائد السالکین: مخزونہ کتاب خانہ رضا۔ رامپور: ۷۰ ب۔ ۹۲ ب ورق۔

[فہرستِ نسخہ ہای خطی فارسی کتاب خانہ رضا۔ رامپور (جلد اول): کتاب خانہ رضا۔ رامپور: فروردین ۱۳۷۵ رصفر ۱۴۱۷ھ رجون ۱۹۹۶ھ: ص ۲۸۸]

xxxv) فوائد السالکین: مخزونہ کتاب خانہ رضا۔ رامپور: ۵۷ ب۔ ۸۱ ب ورق: ۱۲۹۱ھ۔

[محولہ بالا: ص ۲۸۹]

xxxvi) فوائد السالکین: مخزونہ شیرانی کلیکشن، پنجاب یونیورسٹی، لاہور: ۲۹ ورق۔ [پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں فریدی ادب۔ منتخب کتابیات:

سید جمیل احمد رضوی (مرتب): دار الفیض گنج بخش، لاہور: نومبر ۲۰۱۴ء رمحرم ۱۴۳۶ھ: ص ۵۰]

xxxvii) فوائد السالکین: مخزونہ شیرانی کلیکشن، پنجاب یونیورسٹی، لاہور: ۱۷ ورق۔

[محولہ بالا: ص ۵۰]

(۵) شمائل الاتقیاء خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی کی نہایت ہی اہم اور گراں ارزش کتاب ہے۔ اس کتاب میں انھوں

نے موضوعات پر مختلف کتابوں کے اقتباسات نقل کیے۔اب ان میں سے اکثر کتابیں مفقود ہیں۔غنیمت ہے کہ اس کتاب کی بدولت ان کتابوں کے نام اور اقتباسات محفوظ رہ گئے۔دنیا کے مختلف کتب خانوں میں اس کتاب کے خطی نسخے محفوظ ہیں۔ایک بار میں اس کا فارسی متن بھی مطبوع ہوا اور اردو ترجمہ بھی،مگر یہ کتاب جس تزک و احتشام کی متقضی ہے،اس زاویے سے ابھی اس کی توقیر ہونا باقی ہے۔چشتی حلقوں میں یہ کتاب صدیوں تک اپنی فکری جمالیات اور تکنیکی آہنگ کی بدولت معروف رہی۔سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے مجدد اور شیخ وقت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (م۱۱۴۱ھ) نے اسی کے تسلسل میں اپنی کتاب کشکول کو مرتب کیا۔

(۶) رک: نفائس الانفاس ولطائفِ الفاظ: مجلس ۴۷۔اردو ترجمہ ص۱۵۰۔

(۷) آئینۂ ملفوظات: علامہ اخلاق حسین دہلوی: انجمن ترقی اردو ہند، دہلی: بار اول ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

(۸) نقدِ ملفوظات: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور: ص۶۳۔

(۹) محولہ بالا: ص۶۳۔

(۱۰) محولہ بالا: ص۶۴۔

(۱۱) محولہ بالا: ص۶۵۔

(۱۲) تاریخ مشائخ چشت: ص۲۰۶ بحوالہ نقدِ ملفوظات: ص۹۳۔

(۱۳) نقدِ ملفوظات: ص۹۳۔

(۱۴) محولہ بالا: ص۱۲۹۔

(۱۵) محولہ بالا: ص۶۷۔

(۱۶) محولہ بالا: ص۱۳۰۔

(۱۷) محولہ بالا: ص۱۲۹۔

(۱۸) محولہ بالا: ص۱۳۵۔

(۱۹) محولہ بالا: ص۱۳۶۔

(۲۰) محولہ بالا: ص۱۳۸۔

(۲۱) محولہ بالا: ص۱۲۷۔

(۲۲) محولہ بالا: ص۱۳۴۔

(۲۳) محولہ بالا: ص۱۳۵۔

☆☆☆☆☆

تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی

[حضرت مولانا غلام محی الدین احمد مکھڈیؒ]

علامہ حافظ محمد اسلم

حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کے درِاقدس پر سلسلہ تعلیم وتعلم کے لیے اپنے وقت کی قد آور شخصیات جلوہ گر ہوتی رہیں۔ کچھ حضرات کا تعلق تو محض اساتذہ ہونے کی حیثیت میں نظر آتا ہے۔ لیکن کچھ حضرات کا تعلق آستانہ شریف کے اساتذہ کی حیثیت کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کی خلافت ونیابت کا بھی نظر آتا ہے۔ ایسے حضرات میں سے امام المتوکلین، بیہقیٔ وقت، واقفِ رموز واسرار شیخ الحدیث حضرت مولانا غلام محی الدین احمد مکھڈیؒ کی شخصیت بھی بہت نمایاں اہمیت کی حامل ہے۔ اگرچہ آپ کی شخصیت مُحتاجِ تعارف نہیں لیکن ذکر الصالحین، تنزل الرحمتہ کے تحت آپ کی سیرت کو ذکر کرنا مناسب اور ضروری ہے۔

ولادت مع تذکرۂ خاندان:

حضرت مولانا غلام محی الدین احمد مکھڈیؒ نے ۱۲۷۵ھ، ۱۸۵۸ء کو صوفی باصفا ولی کامل حضرت مولانا میاں محمد بن حافظ میاں مُحسن بن مولانا محمد ابراہیم کے ہاں مکھڈ شریف میں ولادت باسعادت فرمائی۔ حضرت پیر صاحب کا تمام خاندان علم وفضل کا چشمہ تھا۔ آپ کے جدِّ اعلیٰ حضرت مولانا محمد ابراہیم کا مولد ومسکن تھوا محرم خان (تحصیل۔ تلہ گنگ) تھا۔ لیکن حافظ میاں مُحسن نے سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دینِ اسلام کی نشر واشاعت کی خاطر مکھڈ شریف کی طرف ہجرت فرمائی۔ مکھڈ شہر میں جہاں آج بھی حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی مسجد موجود ہے۔ وہاں آکر آپ اقامت پذیر ہوئے چونکہ آپ اجل حفاظ کرام میں سے تھے۔ لہٰذا اسی مسجد میں آپ نے تعلیم قرآن کا سلسلہ جاری فرمادیا۔

☆ صدر مدرس درسِ نظامی، خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ۔ تحصیل جنڈ [اٹک]

تاہم آپ نے قرآن شریف پڑھانے کے حوالے سے خوب مخلوقِ خدا کی خدمت فرمائی۔ بالآخر آپ کا وصال مُبارک بھی مکھڈ شہر ہی میں ہُوا۔ آپ کی مزار مبارک خانقاہ شریف کی جامع مسجد کے جنوبی منارے کے زیرِ سایہ واقع ہے۔ حافظ میاں محمد مُحسن کے لختِ جگر حضرت مولانا میاں محمد صاحب نے بھی اپنے والدِ گرامی کے مشن کو جاری رکھا۔ آپ بھی زہد و تقویٰ کے پیکر تھے میاں محسن اور مولانا میاں محمد ہر دونوں حضرات بیعت وارادت میں شہبازِ چشت پیر پٹھان خواجہ سلیمان تونسویؒ کے مُریدین میں سے تھے۔ بعدازاں اسی اسلوب وطریق پر چلتے ہوئے حضرت مولانا غلام محی الدین احمد مکھڈیؒ نے اپنے اسلاف کی نیابت وخلافت کا حق ادا فرمایا۔ آپ دُنیائے فقر کے بادشاہ تھے اور مستجاب الدعوات لوگوں میں سے آپ کا شمار ہوتا ہے۔

سلسلۂ تعلیم:

آپ نے ایسے درخشندہ ماحول میں آنکھ کھولی جب آستانہ عالیہ کی درسگاہ میں کابل وقندھار اور سمرقند و بخارا تک کے اساتذہ کرام کے علاوہ قاضی خورشید لنگڑیالوی اور حافظ عبدالقدوس چھاچھی اور حضرت مولانا خان محمد مرجانوی جیسے حضرات بھی آستانہ شریف میں سلسلہ تدریس کو رونق بخش رہے تھے۔ تاہم آپ نے اپنے نانا محترم زینت الاولیاء کے زیرِ سایہ مذکورہ اساتذہ کرام کے ہاں زانوئے تلمذ طے کیا۔ البتہ کچھ عرصہ مولانا محمد قاسم فتح جنگی کے ہاں بھی موضع بھٹو میں زیرِ تعلیم رہے۔ جیسا کہ تذکرۃ الصدیقین مصنفہ مولانا محمد الدینؒ آپ کا ذکرِ خیر بایں الفاظ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ زین الدینؒ کا وصال ہوا تو آپ ان ایام میں شرح مُلا جامی اور عبدالغفور کے اسباق پڑھتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے ہندوستان کے بھی متعدد مدارس کی طرف حصولِ تعلیم کے لیے سفر فرمایا۔ حدیث شریف کی تعلیم بھی آپ نے ہندوستان کے مدارس ہی میں شبانہ روز کی محنت سے حاصل کی۔

سلسلۂ بیعت وخلافت:

آپ کی بیعت وارادت اپنے نانا محترم حضرت خواجہ زین الدین سے تھی۔ جب آپ

تونسہ مقدسہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کے عرس مبارک کے لیے تشریف لے گئے۔ تو اس موقع پر خواجہ اللہ بخش کریم نے آپ کی دستار بندی فرمائی۔ تاہم دوسرے سال پھر اسی موقع پر خواجہ اللہ بخش کریمؒ نے خرقہ خلافت عطا فرماتے ہوئے حضرت مولانا شاہ محمد علی مکھڈیؒ کی سجادہ نشینی کا منصب عطا فرمایا تھا۔ آپ کو خواجہ اللہ بخش کریمؒ سے اور حضرت خواجہ کو آپ سے انتہائی محبت واحترام تھا۔ جب حضرت خواجہ تونسویؒ نے ۱۲۹۹ھ میں سفر حج کا ارادہ فرمایا تو آپ کو بھی ہم رکابی کے لیے دعوت نامہ بھیجا گیا تھا لیکن آپ کو نانی صاحبہ سے اجازت لینے میں تاخیر کے سبب فوری شرکت کا موقع نہ مل سکا؛ لیکن بحری جہاز کے ذریعے آپ نے خواجہ اللہ بخشؒ سے مکہ مکرمہ میں ملاقات کا شرف حاصل کر لیا تھا۔ آپ نے اپنے خواجہ کی ہم رکابی میں چھ ماہ حجازِ مقدس میں گزارے۔ جو علمی وروحانی کیفیات سے مزین تھے۔

این سعادت بہ زورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

استغراق درس وتدریس:۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے درس وتدریس میں ایک خاص ملکہ اور کمال بخشا تھا۔ جس کی بدولت افغانستان، روس، بخارا، کے طلبا کے لیے بھی آپ مرکزِ توجہ بنے رہے۔ چونکہ آپ کے دورِ عظیم میں طلبا کی تعداد اِس قدر کثیر تھی کہ آپ بعد از نمازِ تہجد سلسلہ اسباق شروع فرمادیتے لیکن کثرتِ اسباق کی وجہ سے شام تک اسباق کا سلسلہ ختم نہ ہوتا۔ تاہم آپ رات کے وقت بھی حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی جامع مسجد میں باقی ماندہ اسباق پڑھاتے تھے۔ معقول اور فنون کے علاوہ آپ کو علمِ حدیث پڑھانے میں اللہ تعالیٰ نے وصفِ خاص سے نوازا تھا۔ جیسا کہ مولوی غلام محی الدین مرید خاص حضرت مولانا محمد احمد الدین بیان فرماتے ہیں۔ آپ کے پاس ایک طالبِ علم بخارا سے بخاری شریف پڑھنے کے لیے حاضر ہوا۔ حالانکہ اس نے اس سے قبل بھی تین مرتبہ بخاری شریف پڑھی ہوئی تھی۔ لیکن اطمینانِ قلب کے لیے آپ کے حلقۂ درس میں بیٹھ گیا

۔جب خواجہ غلام محی الدین نے بخاری شریف کی پہلی حدیث ''انما الا عمال بالنیات'' پر علمی اور تحقیقی بحث فرمائی تو وہ طالبِ علم مسرت اور خوشی کی وجہ سے کہنے لگا۔اگر چہ اس سے قبل بھی یہ حدیث پڑھ چکا ہوں لیکن جو اطمینانِ قلب آج ہوا وہ اس سے قبل نہیں ہوا تھا۔

ایک روایت میں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آپ نے اس حدیثِ مبارکہ پر تین دن تقریر فرمائی۔جب چوتھے دن آپ اسی مذکورہ حدیث پر ہی گفتگو فرمانے لگے تو وہ طالبِ علم عرض کرنے لگا۔حضور مجھے تمام بخاری کا نچوڑ اسی ایک حدیث سے سمجھ آ گیا ہے۔

آپ کو درس وتدریس میں اس قدر استغراق اور شوق تھا کہ آپ کے زمانہ میں ایک انگریز مکھڈ شریف ہی کی ایک اور خانقاہ کے پیر صاحبان کے پاس آیا ہوا تھا۔وہ انگریز دریا کی طرف سیر وسیاحت کے لیے نکلا جب حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی خانقاہ کے پاس سے گزرا تو وہاں کسی مقام میں حضرت مولانا غلام محی الدین طلبا کے ساتھ درس وتدریس میں مشغول تھے۔تاہم انگریز نے آپ کو دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے سلام پیش کیا۔لیکن آپ نے بجائے جواب دینے کے اپنا چہرہ مبارک دوسری جانب پھیر لیا۔وہ حضرات جو انگریز کے ساتھ موجود تھے وہ کہنے لگے؛ چلیں یہاں سے آگے چلتے ہیں۔یہ تو صرف مولوی لوگ ہیں جو آپ کو خاطر میں نہیں لائیں گے۔لیکن انگریز بہت چالاک اور ہوشیار آدمی تھا۔اس نے کہا حقیقی فقیر یہ مولوی صاحب ہی ہیں جس کو دنیا داروں سے کوئی محبت ہی نہیں۔انھوں نے ہماری طرف کوئی خاص التفات نہیں فرمایا وگرنہ ہم جیسے دنیادار لوگوں سے تو آدمی قرب کے متلاشی ہوتے ہیں۔ایک بار حضرت مولانا غلام محی الدینؒ آنکھ کے آپریشن کے لیے ہندوستان تشریف لے گئے۔آپریشن کے بعد بہ طور پرہیز چالیس ایام تک ڈاکٹر نے اسباق وغیرہ پڑھانے سے منع کر دیا۔آپ نے فرمایا اتنا طویل پرہیز جس میں طلبا کا سبق ضائع ہوتا ہو مجھ سے ہونا ناممکن ہے۔آپ نے مکھڈ شریف آتے ہی بغیر کسی تاخیر کے اسباق کا سلسلہ شروع فرما دیا۔

آپ دونوں آنکھوں میں موتیا اُتر آنے کے باوجود آپریشن کے قائل نہ تھے۔اصل وجہ

یہ تھی کہ آپ فرماتے آپریشن کے بعد سننے میں آتا ہے کہ ڈاکٹر لوگ مریض کو چند ایام چلنے پھرنے سے منع کرتے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ اس صورت میں نماز کیسے ادا کروں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان ہی ایام میں موت آجائے اور نماز کی قضا کا وقت نہ مل سکا؛ پھر کیا فائدہ ہوگا اس لیے آپریشن نہیں کرواتا۔ اگرچہ بعد میں خواجہ محمود تونسویؒ کے حکم کے مطابق آپ نے ایک اچھے اور قابل ڈاکٹر سے آپریشن کرایا تھا۔ الغرض آپ آپریشن کے بعد ابتدائی ایام میں تو اشارہ کے ساتھ ہی نماز پڑھتے رہے۔ بعد میں رکوع کیساتھ نماز ادا فرماتے رہے۔ تاہم اتنی تکلیف کے باوجود کوئی نماز یا اسباق میں ناغہ نہ فرمانا درس وتدریس کے ساتھ انتہائی وابستگی ومحبت کی دلیل ہے۔ مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں۔ قیام ہندوستان کے دوران مولانا غلام محی الدینؒ نے خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرمایا تھا وہاں کے لوگوں کو بایں الفاظ مطلع کیا گیا کہ مکھڈ شریف کے سجادہ نشین مولانا غلام محی الدین خطبہ جمعہ دیں گے۔ تو آپ کے وعظ اور بیان کو سننے کے لیے لوگوں کا ایک جمِ غفیر تھا۔ بعداز جمعہ لوگوں نے آئندہ جمعہ تک قیام کے لیے عرض کی لیکن آپ نے فرمایا کہ زیادہ دیر رُکنا میرے لیے ممکن نہیں کیونکہ اس میں طلبا کے اسباق کا نقصان ہے۔

کشف وکرامات:۔

ایک روایت کے مطابق آپ کے پاس ملاقات کے لیے ایک بزرگ کربوغہ شریف (ہنگو ،کوہاٹ) سے حاضر خدمت ہوئے۔ جب انھوں نے آپ کے ساتھ کھانا تناول فرمایا تو حیران ہوئے۔ کھانا پُر تکلف تھا۔ انھوں نے دِل میں خیال کیا کہ فقراء کا کھانا اس قدر پُر تکلف نہیں ہوتا۔ بس انھوں نے دل میں فقط یہ خیال ہی کیا تھا کہ حضرت مولانا غلام محی الدین صاحب بطورِ کشف ان کی حال سے مطلع ہوگئے۔ آپ نے اس بزرگ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ مولوی جی ہم جیسا کھاتے ہیں ویسا نبھاتے بھی ہیں۔ تاہم آپ تمام دن طلبا کے اسباق میں مشغول رہے۔ وقتِ شام مولانا صاحب کی مسجد میں بعداز نمازِ عشاء دوبارہ اسباق کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ بزرگ بھی ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ جب رات کا کافی حصہ گزر گیا اور آپ آخری سبق پڑھانے لگے۔ وہ

بزرگ نیند کی وجہ سے دائیں بائیں جھولنے لگے۔اس وقت آپ نے اس صوفی صاحب کوفرمایا :صوفی صاحب بتاؤ ہم جو کھاتے ہیں۔اس کا حق بھی بجالاتے ہیں کہ نہیں؟ وہ صوفی صاحب کہنے لگے۔حضور آئندہ کبھی بھی ایسا تصور دل میں نہیں لاؤں گا۔

آپ کا معمول تھا کہ اسباق کی فراغت کے بعد زیادہ وقت نفلی عبادت ہی میں مشغول رہتے۔رات کا آرام بہت قلیل ہوتا تھا جیسا کہ ''سرزمینِ اولیاء میانوالی'' میں طارق مسعود کاظمی، قاضی حفیظ اللہ ہاشمی کے احوال میں تحریر فرماتے ہیں کہ قبلہ قاضی صاحب کا سبق حضرت غوثِ زماں حضرت مولانا غلام محی الدین کے پاس وقتِ تہجد ہوتا تھا۔اور قاضی صاحب کو تحصیلِ علوم کے بعد خواتین عیسیٰ خیل کا امام وخطیب بھی حضرت غوثِ زماں نے ہی مقرر فرمایا تھا۔جب قاضی صاحب ۱۳۰۹ھ میں فارغ التحصیل ہونے کے قریب ہوئے تو حضرت غوثِ زماں کی اجازت سے مزید حصولِ تعلیم کے لیے ہندوستان چلے گئے۔مذکورہ کتاب ہی میں حضرت مولانا غلام محی الدین کے کشف کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ایک مرتبہ قاضی محمد حفیظ اللہ کے لیے اپنے گاؤں عیسیٰ خیل سے سوہن حلوہ تیار ہوکر آیا۔قاضی صاحب نے اپنے دل میں یہ نیت کی کہ آدھا حلوہ میں خود کھاؤں گا۔اور آدھا اپنے استاذِ محترم غوثِ زماں غلام محی الدین مکھڈی کی خدمت میں پیش کروں گا۔آپ آدھا حلوہ استاد صاحب کو پیش کرنے کے لیے بالاخانہ کی طرف چلے تو آگے سے غوثِ زماں بالاخانہ کی سیڑھیوں سے تشریف لارہے تھے۔آدھی سیڑھیاں قاضی صاحب اور آدھی سیڑھیاں غوثِ زماںؒ نے طے فرمائیں۔جب آپ سے نیچے تشریف لانے کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ قاضی صاحب حلوہ لارہے ہیں؛ لہٰذا آدھا سفر وہ طے کریں اور آدھا سفر میں طے کرتا ہوں۔یہ تھا آپ کا کشف جو آپ کو بفضلہٖ تعالیٰ اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی بدولت مشکاۃ نبوۃ سے حاصل ہوا تھا۔

صاحبِ تذکرۃ الصدیقین اپنے والدِ گرامی کے کشف وکرامت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ راقم نے خداداد خان صاحب عیسیٰ خیلوی سے جو حضرت خواجہ زین الدین کے مرید

تھے؛ کی زبان سے سنا کہ میں نے عہدہ تھانیداری میں کچھ وقت گزارا۔ جب مکھڈ شریف زیارت کے لیے حاضر ہوا تو اس وقت سجادہ نشین پیر غلام محی الدین کا زمانہ تھا۔ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ حضور تھانیداری کو اب کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ دعا فرماؤ میری ترقی ہو جائے آپ نے فرمایا کہ اس کے اوپر کونسا عہدہ ہوتا ہے۔ خداداد خان نے عرض کی انسپکٹری کا مرتبہ ہے۔ بہر حال یہ بات سُن کر آپ خاموش ہو گئے تو خداداد خان کہتا ہے کہ جب مکھڈ شریف سے واپس اپنے تھانہ میں پہنچا تو میرے انسپکٹری کے کاغذات مرتب ہو چکے تھے؛ اور مجھے انسپکٹر کا عہدہ دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ نام اب پرانا ہو گیا ہے کوئی اور نام تبدیل فرما دو۔ آپ نے فرمایا کیا آپ کبھی اس دربار سے خالی ہاتھ لوٹے ہیں۔ (یعنی اس سے پہلے بھی خالی ہاتھ نہیں گئے اور اب بھی نہیں جاؤ گے) خان صاحب کہتے ہیں۔ بس اسی فرمان سے میری تسلی ہو گئی تاہم جب میں واپس پہنچا تو مجھے ڈپٹی سپریڈینٹ بنا دیا گیا۔

صاحبِ تذکرۃ الصدیقین خان صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ خان صاحب وقتِ اخیر تک اسی عہدے پر فائز رہا۔ حالانکہ انگریزی میں اپنے دستخط بھی نہ کر سکتا تھا۔ یونہی آپ کے پاس نشست و برخواست کرنے والے حضرات کو بھی آپ کی صحبت کی بدولت وہ کیفیت حاصل ہو جاتی جو کم ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

مولوی غلام محی الدین زیدہ مجدہ بیان کرتے ہیں کہ مولانا غلام محی الدین احمد مکھڈیؒ کے پاس ایک طالب علم پڑھتا تھا؛ جس کا حافظہ بہت کمزور تھا تو وہ قوتِ حافظہ کے لیے ہر روز وظیفہ پڑھتا تا کہ حضرت خضرؑ سے ملاقات ہو جائے تو ایک رات اس طالب علم کو خواب میں حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جس سے اس طالب علم کا مقصدِ وحید تو حل ہو گیا؛ لیکن کچھ ایام کے بعد وہ طالبِ علم اپنے کمرہ میں تنہا موجود تھا۔ اچانک ایک سفید ریش بزرگ سفید لباس میں تشریف لائے۔ طالب علم نے اس بزرگ سے پوچھا آپ کون ہیں؟ وہ بزرگ کہنے لگے "میں خضر ہوں" اب بتاؤ آپ کا کیا مسئلہ ہے۔ طالب علم نے جواب میں کہا اب

تو ہمیں خضر (مولانا محمد علی مکھڈیؒ) مل گیا ہے۔

اس طالبِ علم کی عادت تھی کہ جب نماز شروع کرنے لگتا تو تکبیرِ اولیٰ میں وقتِ نیت بہت دیر تک کھڑا رہتا۔ کسی طالبِ علم نے ان سے کہا تکبیرِ اولیٰ میں بہت دیر لگاتے ہو۔ اُس نے کہا تم سب خوش نصیب ہو کہ نیت کے وقت جب تم ''منہ وَل کعبہ شریف'' کہتے ہو تو تمھیں اُسی وقت خانۂ خدا نظر آ جاتا ہے۔ میں کیا کروں؛ جب تک مجھے خانہ کعبہ شریف نظر نہیں آتا اُس وقت تک ''منہ وَل کعبہ شریف'' کہتا رہتا ہوں۔ جب کعبہ شریف پر نظر پڑھتی ہے تو ''اللہ اکبر'' کہہ کر جماعت کے ساتھ شامل ہو جاتا ہوں۔ تب اس دوسرے طالب علم نے سوال کیا کہ آپ کی یہ کیفیت کب سے ہے۔ تو وہ درویش کہنے لگا کہ جب سے میں حضرت استاد غلام محی الدینؒ کی خدمتِ عالیہ میں حصولِ تعلیم کے لیے حاضر ہوا تو اس وقت سے مجھے یہ کیفیت نصیب ہوئی۔ اس سے پہلے کبھی یہ معاملہ نہیں ہوا تھا۔

یہ تو عالم ہے غلاموں کا
خود سرکار کا عالم کیا ہوگا

اسی طرح ایک روایت کے مطابق حضرت مولانا غلام محی الدین کے خدام میں سے ایک نام تاج محمد مکھڈی کا معروف ہے۔ ان کے متعلق راقم الحروف کو بہت سے قابلِ اعتماد لوگوں نے بیان کیا کہ یہ دریا سے اوپر کی طرف ایک بہت بڑی پانی کی مشک بہت تیز رفتاری سے لاتے تھے۔ ایک مرتبہ دریا سے اوپر کی طرف پانی لائے تو پیر غلام محی الدین صاحب اوپر کسی مقام میں نوافل ادا فرما رہے تھے۔ جب یہ دوسری مرتبہ دریا سے اوپر کی طرف آئے تو انھوں نے دیکھا کہ پیر صاحب کے تمام اعضائے بدن بکھرے پڑے ہیں۔ خادم مذکورہ یہ کیفیت دیکھ کر بہت خوفزدہ ہوا لیکن جب دریا کی طرف پانی لینے کے لیے جانے لگا تو حضرت صاحب نے انھیں پاس بلایا اور فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں تم نے یہ معاملہ کسی کے ہاں ظاہر نہیں کرنا۔ تاہم انھوں نے پیر صاحب کی حیاتِ مبارکہ تک یہ راز مخفی رکھا اور تاج محمد مکھڈی کے متعلق آج بھی ان کے خاندان

کے لوگ بیان کرتے ہیں کہ بابا تاج بہت طاقتور آدمی تھا۔کسی نے اُس سے سوال کیا تھا کہ آپ کون سا گشتہ استعمال کرتے ہو۔حالانکہ کنارے دریا سے اوپر کی طرف محض چل کر آنا بھی انتہائی دشوار ہے تو آپ وہاں سے مشک پانی کی اوپر کیسے لاتے ہیں۔انھوں نے کہا جب سے میری پشت پر سائیں غلام محی الدین نے ''تھاپڑا'' مارااور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ ہم نے تاج محمد کے بدن میں تانبہ ودیعت رکھ دیا ہے۔لہٰذا یہ وقت آخر تک ہر قسم کے موذی امراض سے محفوظ رہے گا۔اب بھی ان کے خاندان کے قابلِ اعتماد لوگ اس واقعہ کا ذکر بار بار راقم کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔

آپ کی شخصیت کابل و قندھار اور روس و بخارا تک متعارف تھی۔جس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ مکھڈ شریف کے پراچہ حضرات میں سے ایک پراچہ جو آپ کے ہاں صبح و شام حاضری دیتا تھا۔اس کی عادت تھی کہ طلبا اور مولانا غلام محی الدینؒ کے لیے گھر سے قہوہ چائے بنوا کر لاتا۔ایک عرصہ تک اس نے یہ طریقہ اختیار کیے رکھا۔بالآخر ایک دن مولانا غلام محی الدینؒ نے اس سے پوچھا آپ ہر روز یہ تکلیف کیوں کرتے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا'' حضور روس تک میرا کاروباری سلسلہ پھیلا ہوا تھا؛ اب اچانک مجھے بہت نقصان اٹھانا پڑا۔لہٰذا یہ سلسلہ اس خاطر شروع کیا۔تاکہ آپ بمع طلبا کے میرے حق میں دعا فرمائیں۔آپ نے اسی وقت طلبا کو فرمایا کہ ان کے حق میں دعا کرو تو دعا کی برکت سے اس کا دوبارہ کاروبار اس قدر وسیع ہوا کہ دوبارہ وہ تجارت کے لیے روس گیا۔وہاں کے لوگوں کو چونکہ معلوم تھا کہ اس کا تعلق مکھڈ شریف سے ہے۔اس لیے وہ اس کا بہت ادب واحترام بھی کرتے تو وہاں یہ پراچہ صاحب کسی مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوئے تو وہاں امامت کے لیے کوئی صاحب آگے نہیں ہو رہا تھا۔موجودہ لوگوں نے پراچہ صاحب کو مصلیٰ امامت کے لیے مدعو کیا انھوں نے کہا کہ میں کوئی عالم دین نہیں ہوں۔لہٰذا آپ میں سے جو امامت کے لائق ہے وہی امامت کا فریضہ انجام دے۔موجودہ حضرات نے پراچہ صاحب سے کہا آج امامت کے لائق آپ ہی ہیں؛ کیونکہ آپ کا تعلق اور نسبت ایسی شخصیت سے ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص امامت نہیں کروا سکتا۔تاہم بعد از اصرار پراچہ صاحب نے ہی

امامت کروائی۔

آپ کے وسعتِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ راقم کو مولانا مقبول مرحوم (موسیٰ والی ،میانوالی) نے بتایا کہ مجھے استاد شوق صاحب نے مولانا غلام محی الدینؒ اور والدِ گرامی مولانا غلام محمود پپلانوی کا ایک علمی مباحثہ ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا کہ والدِ گرامی جب آستانہ عالیہ مکھڈ شریف میں درس وتدریس فرما رہے تھے۔ اُس وقت کے سجادہ نشین مولانا غلام محی الدینؒ کے مابین رفع سبابہ (تشہد میں انگشتِ شہادت کا اٹھانا) کے متعلق علمی مباحثہ ہوا تھا۔ جبکہ قبلہ والد صاحب رفع سبابہ کے جواز کے قائل تھے اور دوسری طرف مولانا غلام محی الدین صاحب عدم رفع سبابہ کے قائل تھے۔ ایک عرصہ کی تحقیق کے بعد والد صاحب نے مولانا غلام محی الدینؒ کے دلائل کو قوی تسلیم کرلیا تھا۔

علاوہ ازیں دیگر بھی کئی مسائلِ شرعیہ میں آپ کی رائے قوی اور حتمی ہوتی۔ حتیٰ کہ تونسہ مقدسہ کے حضرات بھی بہت ادق مسائل میں آپ ہی کی طرف رجوع فرماتے جیسا کہ ایک مرتبہ رؤیتِ ہلال کی خبر بذریعہ ٹیلی فون ،ریڈیو، ٹیلی گرامی وغیرہ سے اعتبار اور عدم اعتبار میں کچھ الجھنیں پیدا ہوئیں تو اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے مولانا فضل حق ڈیروی اور مولانا احمد بخش تونسوی کے مابین تحریری صورت میں بھی مباحثہ ہوا۔ بالآخر ہر دو حضرات نے اپنے اپنے مؤقف پر کتابیں بھی مرتب فرمائیں؛ اور مزید تحقیق اور توضیح کے لیے حضرت مولانا غلام محی الدینؒ مکھڈی کی طرف بھی رجوع کیا گیا۔ آپ نے بھی اس مسئلہ پر مولانا احمد بخش تونسوی کی کتاب پر ان الفاظ میں تقریظ مرتب فرمائی۔

"لقد بالغ فی وصفہٖ العالم الاتم الفاضل الاعم فی بادی النظر لکن الدقیق حکم بانہ حری بزّیادۃ نعم من علینا غایۃ الامتنان اخرجنا عن غیاھب الدوران حررہ' الحقیر غلام محی الدین المکھڈی"

آپ نے ان مختصر الفاظ میں پورے مسئلہ کی تحقیق کو چند الفاظ میں بیان فرمادیا۔ مزید

برآں کہ آپ کے ہاں کسی نے اذان بہ قبر کے جواز اور استجاب کا ان الفاظ میں استفتاء لیا۔

"هل يسن الاذان بعد ا لدّفن اَم لا ؟ بينوا توجروا .

چونکہ مذکورہ استفتاء عربی زبان میں تھا تو آپ نے اس کا جواب بھی عربی زبان میں ان الفاظ کے ساتھ مرتب فرمایا۔

"نعم يسنّ الاذان بعد الدفن لا نه' فى معنىٰ ماوَردبه السنة لان ماَ ورد به السنة كلها هموم فسن لازالتها وهذامن جملتها والتخصيص ليس للحصير بل تمثيل لان المعنى الذى شرع لاجلها وهو الا علام بدخول الاوقات المخصوصة لايوجدفى النصوص عليه ايضاً فعلم اَنّ مشروعيته لازالتهم هم وهى مشتركه فالتخصيص بلا مخصص وردُّ ابن حجر انما هو القياس القائل الخروج من الدنيا على الخروج الى الدنيا على ان حديث لَقّنوا موتا كم يدل على ان التلقين بعد الدفن سنة كما حمل عليه ابن الهمام فى شرح الهدٰا ية والا ذان بعد الدفن ايضا من افراد التلقين وتخصيص بعض الالفاظ فى الحديث ليس للحصر كما يدل عليه الحديث الآخر ومضمونه اَنّ الميت ليستأنس بالذكر نعده' ممّا لا بعهد من السنة سوءُ الفهم وهذا يظهر لمن تفكر فى عبارة الشامى جلد اول وفتح القدير ونتفكروه ولا نسرع وايضاً حديث دعونى اُصلى خطابا للملئكة فى باب الجنائز. مشكوة شريف يدل على ان الميتَ يكون على العادة التى كا نت له فى الدنيا وفى هذا الزمان النا س يعتاد ون اداء كلمة التوحيد بعد ختم الاذان فكونه' تلقيناً ظاهر "

آپ کا یہ اس قدر علمی اور تحقیقی جواب تھا کہ جس کی گہرائی تک پہنچنے کے لیے باقاعدہ تشریح اور توضیح کی ضرورت ہوتی تھی ۔اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے آپ کے لختِ جگر حضرت مولانا محمد الدینؒ مکھڈی نے خوبصورت الفاظ میں اس کی وضاحت ایک رسالہ "فتویٰ جواز

الاذان والتلقین علی القبر'' کی صورت میں مرتب فرمادی۔اس سے حضرت مولانا غلام محی الدین کے وسعتِ مطالعہ کا خوب اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ذکرِ اولاد مع فیض یافتہ گان:۔

مولانا غلام محی الدینؒ مکھڈی نے تین عقد فرمائے تھے۔

۱۔ ڈھوک لاہم [تحصیل۔پنڈی گھیب]

۲۔ کالاباغ [ضلع۔میانوالی]

۳۔ تھوہامحرم خان [تحصیل۔تلہ گنگ]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین (۳) بیٹے عطا فرمائے۔تینوں بھائی علم وفضل میں جامع و اکمل تھے۔آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد احمد الدین مکھڈی اوران سے دوسرے حضرت مولانا محمد الدین مکھڈی اور تیسرے حضرت مولانا زین الدین مکھڈی ثم ترگوی ہیں۔اول ذکر شخصیت نے دوعقد فرمائے تھے۔

للیانی شریف (سرگودھا) والی مائی صاحبہ سے حضرت مولانا فضل الدین مکھڈی متولد ہوئے اور دوسرا عقد آپ نے میرا شریف حضرت خواجہ فقیر عبداللہؒ کی ہمشیرہ سے فرمایا۔جن کے بطن سے حضرت مولانا شرف الدین زیدمجدہ اور حضرت مولانا محمد علیؒ تولد ہوئے۔

حضرت مولانا غلام محی الدین کے دوسرے صاحبزادہ مولانا محمد الدین صاحب نے اپنے چچا محترم جناب مولانا شمس الدین مکھڈی کے گھر سے عقد فرمایا تھا۔جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک لختِ جگر محی الدین محمد صالح گُل صاحب عطا فرمایا اور پیر صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ مولانا زین الدین ترگویؒ مکھڈ شریف سے ترگ شریف تشریف لے گئے تھے۔آپ نے بھی دوعقد فرمائے۔اللہ رب العزت نے آپ کو چار صاحبزادوں سے نوازا۔آپ نے ترگ شریف میں مسندِ تدریس کو خوب رونق بخشی۔

مولانا غلام محی الدین کے شاگرد اور فیض یافتگان کا احاطہ بالاستیعاب ممکن نہیں؛ مگر

چند معروف و مشہور شخصیات جن کا کتبِ تاریخ میں ذکر ملتا ہے۔ان میں سے آپ کے صاحبزادگان کے علاوہ مولانا شمس الدین اخلاصی جو کہ آپ کے قریبی شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔مولانا قاضی حفیظ اللہ ہاشمی عیسیٰ خیلوی، مولانا حسن چشتی حیدر آبادی، صوفی عطا محمد عیسیٰ خیلوی اور مولانا امام غزالی ٹمن اور ایک روایت کے مطابق خطیبِ شہیر مبلغِ اسلام مولانا گل شیر (ملہووالی) اور مولانا محمد حسین گلیالوی (جنڈ) کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

نوٹ: راقم الحروف کو مولانا محمد حسین گلیالوی کے صاحبزادے مولوی مقبول گلیالوی نے بتایا کہ میرے والدِ محترم نے جب مولانا غلام محی الدین مکھڈی کی بیعت کی؛ تو بعد ازیں جب کبھی آپ آستانہ شریف پر حاضر ہوتے اور آپ کو رات گزارنے کا موقع ملتا تو والد صاحب مکھڈ شریف رات چارپائی پر لیٹنا پسند نہ فرماتے؛ بلکہ زمین پر ہی استراحت فرماتے۔ایک مرتبہ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا: مجھے اپنے شیخ کے آستانہ شریف پر چارپائی کے اوپر آرام کرنا خلافِ ادب لگتا ہے۔

مولانا محمد حسین گلیالوی کے چچا محترم مولانا محمد عبداللہ گلیالوی جو حضرت خواجہ زین الدین مکھڈی کے مریدِ خاص تھے۔آپ بھی کافی عرصہ آستانہ شریف پر درس و تدریس فرماتے رہے۔حضرت خواجہ زین الدین کے وصال کا مادۂ تاریخ ''غابَ نورالہٗ'' بھی آپ ہی نے مرتب فرمایا تھا۔جس کی تفصیل ''تذکرۃ الصدیقین'' ص۔۷۹ پر دیکھی جا سکتی ہے۔مذکورہ کتاب میں ایک اور مقام پر ص۔۲۱ پر آپ کا ذکر بایں الفاظ بھی موجود ہے۔

ایک مرتبہ عرس شریف کے موقع پر احمد پور کی مسجد میں استاد مولوی خورشید صاحب لنگڑیالوی اور دیگر علمائے علاقہ دوپہر گزارنے کے لیے جمع تھے۔اس مقام پر مولوی عبداللہ صاحب گلیالوی نے استاد صاحب (مولوی خورشید صاحب لنگڑیالوی) کی خدمت میں ''میر ہاشم شرح میبذی'' کا کوئی مشکل مقام حل کروانے کے لیے پیش کیا تھا۔بہر صورت مذکورہ حوالہ جات سے مولانا عبداللہ گلیالوی کا بھی ذکرِ خیر معلوم ہو گیا۔اور مولانا عبداللہ کا مرقد شریف بھی خانقاہِ معلیٰ

کی متصل چاردیواری میں موجود ہے۔

وصال مبارک:

حضرت مولانا غلام محی الدین مکھڈی کا وصال مبارک ۸۔ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ بمطابق ۱۹۲۰ء بروز منگل بعد از طلوع آفتاب ہوا۔ وقتِ وصال آپ کی عمر شریف ۶۳ سال تھی۔ آپ کا مزار مبارک حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے مزار شریف سے متصل جانبِ غرب واقع ہے۔

ماخذ:۔

۱۔ مولانا محمد دین مکھڈی، تذکرۃ الصدیقین، فیروزسنز، لاہور، س۔ن

۲۔ طارق مسعود شاہ کاظمی، سرزمینِ اولیاء میانوالی، مکتبہ قطبِ مدینہ، میانوالی، ۲۰۰۸ء

۳۔ مولوی غلام محی الدین کی گفتگو سے [مریدِ خاص حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ مکھڈی]

۴۔ فتوی جواز الاذان والتلقین علی القبر، مرتبہ: مولانا محمد دین مکھڈی

۵۔ مولانا احمد بخش تونسوی، ہدیۃ الاغزہ والاشراف، ۱۳۱۲ھ رفاہِ عام پرنٹ، لاہور

☆☆☆☆

بات سے بات

☆ اللہ ہر آخر کا اوّل اور ہر اوّل کا آخر ہے۔

☆ فانی کی محبت فنا پیدا کردے گی' باقی کی محبت بقا پیدا کرے گی۔ فانی کی محبت دل سے نکال دو تا کہ آپ کو بقا کا راستہ ملے۔

☆ کائنات کا کوئی غم ایسا نہیں جو آدمی برداشت نہ کر سکے۔

☆ سائل بخیل کو سخی بنانے کے لیے آتا ہے۔

☆ اپنے آپ کو بدنصیب کہنے کے گناہ سے بچتے رہو۔

☆ بدنصیب ہیں وہ مسافر جو آدھے سفر کے بعد ذوقِ سفر سے محروم ہو جائیں۔

☆ آج کا انسان صرف مکان میں رہتا ہے' اس کا گھر ختم ہو گیا ہے۔

[واصف علی واصف]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

میفرماید شما را خدای در حق اولاد شما بانکه مردی را باشد مانند حصه

الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ

دو زن پس اگر باشند اولاد مرده همین زنان یا دو یا دو پس مر ایشان را

ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ

باشد در بخش از بخش آنچه مرده گذاشته است واگر باشد دختر وپس مر او راست نیمی از آن

وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ

دو مر پدر و مادر مرده را از برای هر یکی از ایشان حصه شش یکی است از آنچه گذاشته است

اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗ

اگر باشد مر او را فرزندی پس اگر نباشد مر او را فرزندی و میراث برند ازو

اَبَوَاهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ

پدر و مادر پس مادر او راست یک باسه پس اگر باشد مر او را برادران پس مادر او را

السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَا اَوْ دَيْنٍ

شش یک ازین همه قسمت از پس وصیت که فرموده است مرده یا فرض

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

پدران شما و پسران شما نمیدانید شما که کدام از جماعت نزدیک تر است

حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ مکھڈی کے مکتوبہ سراجی کے سرورق کا عکس

انوار الکریمین

پروفیسر محمد انور بابر☆

پشاور سے جدہ روانگی:

جنتی ٹائم ''صبحِ صادق کا مبارک وقت تھا۔ حفاظتی پٹیاں باندھیں، ٹرائیڈنٹ کے انجن گرجے اور غرائے۔ طیارہ نے حرکت کی اور ٹھیک چار بجے (پاک ٹائم) طیارہ رَن وَے پر دوڑنے لگا۔ ذرا سی دیر میں اُس نے ایک زقند لگائی اور خدنگ سی اُبھرتی کے ساتھ فضا کا سینہ چیرتا ہوا آسمان کی وسعتوں میں محوِ پرواز ہوگیا۔ گویا سارے مسافر طائرانِ بلند پرواز بن گئے۔

بلندیوں کا سفر:۔ ایسا لگتا جیسے حجازِ مقدس کے اس روحانی سفر میں ہمیں بھی ''بالِ جبریل'' مل گئے ہوں اور میں سوچنے لگا کہ ضیا الحرمین کی تابانیوں اور کریمین کی کرم فرمائیوں کا کیا کہنا کہ پہلے قدم ہی نے زمین سے اُٹھا کر آسمان تک پہنچادیا۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

روح و جاں میں ایسی مستی عود کر آئی کہ روح الامین کی ہم سفر بن گئی اور اُس کی رحمت نے آغوش میں لے لیا۔

مدینہ کا جب بھی تصور ہوا
تو رحمت میری ہم سفر ہوگئی

کششِ ثقل کو توڑ کر ارضی گرفت سے نکلنے کا احساس اشرف المخلوقات کی حقیقتوں سے آشنا کر گیا۔ فلک پیمائی کا اعجاز تو دیکھو کہ کائنات کی وسعتیں اپنے قدموں تلے آگئیں۔ ابتدا میں ٹمپریچر کی تبدیلی سے میرے کان بند ہوگئے اور کچھ سنائی نہ دیا۔ تھوڑی دیر میں طبیعت بحال

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر (ر)، پوسٹ گریجویٹ کالج، لکی مروت

ہوگئی۔ پٹیاں کھول دی گئیں۔اب جہاز ایسے پُرسکون انداز میں سُوئے منزل رواں تھا۔جیسے بے حرکت ہو اور فضا ہی میں ٹھہر گیا ہو۔صبح کی نماز فضا کی بلندیوں پر زمین وآسماں کے وسط میں ادا کی۔بے شک ''رَبُّ العالمین'' زمین کی پستیوں کے علاوہ فضاؤں کی بلندیوں اور خلاؤں کی وسعتوں میں ہی ہے۔کائنات کا کوئی مقام اُس سے خالی نہیں۔

عرض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
وہ میرا دل ہی ہے جہاں تُو سما سکے

ہوائی جہاز میں پانی کی کمی تھی۔میں نے تیمم کیا اور اشاروں سے صلوٰۃِ سحر ادا کی۔دیگر ہم سفر ساتھیوں مردوزن نے بھی مختلف انداز میں نماز پڑھی۔کیونکہ قبلہ کی سمت منہ کر کے نماز پڑھنا ممکن ہی نہ تھا۔شریعت کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ کہیں پر قبلہ معلوم نہ ہو تو کسی بھی سمت کو قبلہ قرار دے کر نماز پڑھ لی جائے اُور بعد میں اس کا اعادہ کر لیا جائے۔طیارہ میں تقدس سے لبریز خاموشی چھائی ہوئی تھی۔زائرین کے ہاتھوں میں تسبیحیں دانہ دانہ رینگ رہی تھیں۔اور لحہ بہ لحہ

''لبیک اللھم لبیک. لبیک لا شریک لک لبیک ط اِنَّ الحمد وَنعمَة لَک وَالملک لا شریک لَک ہ

یا اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے لیے ہیں۔اور ملک میں تیرا کوئی شریک نہیں۔۔۔۔تلبیہ کی مسحور کن آواز طیارہ کے پُرسکوت ماحول میں حرکت وحرارت پیدا کر دیتی۔زائرین کے چہروں پر ولولوں کے نشان عیاں تھے۔ربِ کعبہ نے اپنے گھر ''بیت اللہ شریف'' کو کتنا ارفع مقام عطا کیا ہے کہ جو وہاں جانے کا ارادہ کرتا ہے تو پہنچنے سے پہلے اُسے بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔جس منزل کی ابتدا اتنے عروج سے ہو اُس کی انتہا کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

میری منزل ترا در ہو تو خضرؑ کیوں بولے
خود راہی کو صدا دیتا ہے رستہ تیرا

کوچۂ دوست کی یادیں:

سمندروں کی وسعتوں پر، بادلوں میں بلندیوں کا سفر۔ کیا کہنے؟

دل اُچھلنے لگا

نمی دانم کہ آخر چوں دمِ دیدار مے رقصم
مگر نازم بہ آں ذوقِ کہ پیشِ یار مے رقصم
اگرچہ قطرۂ شبنم بنوید بر سرِ خارے
من آں قطرۂ شبنم بہ نوکِ خار می رقصم
تو آں قاتل کہ از بہرِ تماشا خونِ من ریزی
من آں بسمل کہ زیرِ خنجرِ خونخوار می رقصم
بیا جاناں تماشا کُن کہ در انبوہِ جانبازاں
بہ صد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم
خوشا رندی کے پامالش کنم صد پارسائی را
زہے تقویٰ کہ من باجبہ و دستار می رقصم
منم عثمانِ ہارونی کہ یارے شیخ منصورم
ملامت می کند خلقے و من بردار می رقصم

اور کیوں نہ اُچھلتا کہ بچپن ہی سے میری یادیں مدینہ کی یادیں ہیں۔ مدینے کا تصور اور اُس کا دیدار۔ اللہ کا گھر اور اُس کا جلوہ۔ یہ سینہ دیارِ حبیب کے فراق کی تمہید اور اسی کے وصال کی تاثیر سے گوندھا ہوا ہے۔

سمندر کا سفر:۔ کراچی پہنچتے ہی طیارہ سمندر پر پرواز کرنے لگا۔ جب بھی کھڑکی سے جھانکتا ہر طرف تا حدِ نگاہ سفید دھوئیں کے اُٹھتے بادل دکھائی دینے لگتے۔ ٹھاٹھیں مارتا سمندر "طیارے" کا منہ چڑا رہا تھا۔ جیسے زبانِ حال سے کہہ رہا ہو۔ اے میرے خلاؤں کے طائرے

بے رُوح! تو' تو آسمان کی بلندیوں پر اِترا رہا ہے؛ لیکن میں زمین کی پستی پر بھی آسمانوں کو چھونے کا حوصلہ رکھتا ہوں۔ اہل ذوق سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ سمندر کا سفر ایک روحانی ووجدانی کیفیات رکھتا ہے۔ اور خالقِ بحر و بر کی شان جلالت کا نظارہ کُھلی آنکھوں سے ہو جاتا ہے۔ حقیقت ومجاز کے راز بھی یہیں پر افشا ہوتے ہیں۔ سمندر صرف عشاق کے جذبوں کا ترجمان نہیں۔ اس میں محبوبوں کی ادائیں بھی آشکارہ ہیں۔

سمندر کے کنارے پر بھی تیری بزم آرائی
ترے آنے سے ساحل پر وہ دیکھو کیا بہار آئی
تماشا کر رہا کس شان سے تُو ہے سمندر کا
ذرا دیکھو تو مڑ کے ہے جہاں تیرا تماشائی
سمندر نے چھلکنا یوں ترے جوبن سے سیکھا ہے
تیری زلفوں کے تارِ خم سے لہروں نے ادا پائی
سمندر بھی تیرے پیروں کے بوسے کو ترستا ہے
تیرے قدموں میں موجوں کو کشش تیری ہے لے آئی
تری آنکھوں میں جھانکوں تو لگے جیسے ازل سے ہو
مری تجھ سے شناسائی تیری مجھ سے شناسائی
اذیت ناک ہے اب وصل بھی تیرا جدائی سے
کہ تو پہلو میں ہے پھر بھی مجھے ڈستی ہے تنہائی
تری اس بے رُخی سے دل پہ لاکھوں تیر چلتے ہیں
ترا مشتاق ہے انورؔ تُو ہے کس کا تمنائی

شاعرِ مشرق مفکر اسلام حضرت علامہ اقبالؒ ایک موقع پر بمبئی سے عدن تشریف لے گئے۔ انھیں بھی جس چیز نے فزوں تر متاثر کیا وہ سمندر کا سفر ہے۔ حضرت علامہ موصوف کی زبانی

اُن کی واردات دل ملاحظہ فرمائیے۔

''جہاز کے سفر میں دل پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی چیز سمندر کا نظارہ ہے۔ باری تعالیٰ کی قوتِ لامتناہی کا جو اثر سمندر دیکھ کر ہوتا ہے، شاید ہی کسی اور چیز سے ہوتا ہو۔ حج بیت اللہ میں جو تمدنی اور رُوحانی فوائد ہیں، اُن سے قطع نظر کر کے ایک بڑا اخلاقی فائدہ سُمندر کی ہیبت ناک موجوں اور اُس کی خوفناک وسعت کا دیکھنا ہے۔ جس سے مغرور انسان کو اپنے ہیچ محض ہونے کا پورا پورا یقین ہو جاتا ہے۔ اب ساحل قریب آتا جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں ہمارا (بحری) جہاز عدن (یمن) جا پہنچے گا۔ ساحلِ عرب کے تصور نے جو ذوق وشوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے، اس کی داستان کیا عرض کروں۔ بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت (مدینہ منورہ) سے اپنی آنکھوں کو منور کر دوں۔

اللہ رے خاک پاک مدینہ کی آبرو
خورشید بھی گیا تو اُدھر سر کے بل گیا

اے عرب کی مقدس سرزمین! تجھ کو مبارک ہو! تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا۔ مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب وتمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی۔

اے پاک سرزمین! تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقشِ قدم دیکھے ہیں اور تیری کھجوروں کے سائے نے ہزاروں ولیوں اور سلیمانوں کو تمازت آفتاب سے محفوظ رکھا ہے۔ کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیرے ریت کے ذرّوں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اُڑتی پھیرے اور یہی آوارگی میرے زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو۔ کاش! میں تیرے صحراؤں میں لُٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور

پاؤں کے آبلوں کی پروانہ کرتا ہوا اُس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں اذانِ بلالؓ کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی"

[مکتوب اقبال بنام مولانا انشااللہ خان؛ مدیر وطن۔ از عدن۔ ۱۲ستمبر]

موجیں مارتے پانی میں وجدِ صوفیا کی صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ درگاہِ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے سجادہ نشین اور علامہ اقبالؒ کے یارِ غار حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کو سُمندر کی اُچھلتی لہروں میں "پاسِ انفاس" کے روحانی عمل کی وہ کیفیات محسوس ہوتی ہیں؛ جو صوفیا کے قلبِ اطہر پر وارد ہوا کرتی ہیں۔ سمندر کا طوفان نفی اثبات کی عملی تربیت گاہ بھی ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ موصوف فرماتے ہیں۔

"سمندر میں جوش حد سے زیادہ ہے۔ ہوا سمندر کو اس طرح اونچا نیچا کرتی ہے کہ جہاز برابر نہیں چل سکتا۔ کبھی نشیب میں آجاتا ہے کبھی بلندی پر آتا ہے۔ اہلِ تصوف کی اصطلاح میں سمجھنا ہو تو یوں سمجھئے کہ سمندر ہمیشہ "پاسِ انفاس" کا شغل کرتا رہتا ہے۔ کنارے پر سے دیکھو تو وہاں بھی نظر آئے گا؛ کہ کبھی سمٹ کر چار گز پرے ہٹ جاتا ہے اور کبھی دوڑ کر چار گز آگے بڑھ جاتا ہے۔ وسط میں یہی کیفیت رہتی ہے یعنی سانسیں لیتا رہتا ہے۔ اوپر کے سانس سے پانی اُبلتا محسوس ہوتا ہے اور نیچے کے سانس سے دھنستا ہوا نظر آتا ہے۔ گویا پانی "اللہ" کہہ کر اوپر آتا ہے اور "ہُو" کہہ کر نیچے گھُس جاتا ہے؛ لیکن جب طوفان کا زمانہ ہو تو سمندر "پاسِ انفاس" کا شغل چھوڑ کر نفی اثبات کرنے لگتا ہے "لَا الٰــــہ" کی نفی اس زور سے کرتا ہے کہ پانی سر سے اونچا معلوم ہونے لگتا ہے اور جب "الا الــلّٰــہ" کی ضرب لگاتا ہے تو رونگ رونگ میں سنسناہٹ ہونے لگتی ہے۔ شغل کرنے والے لوگ اس کیفیت کو جانتے ہیں کہ پہلے پہل مبتدی کو ذکرِ شغل میں کیسی کیسی جسمانی تکالیف ہوتی ہیں۔ بس یہی حال جہاز کا ہے۔ سمندر کی نفی، اثبات سے اس کے مسافر جاں بہ لب ہوتے ہیں"

(شنبہ، ۳ جون۔ سفر نامہ خواجہ حسن نظامیؒ)

سمندروں کی تعداد:۔ ابو عبداللہ محمد کسائی سے روایت ہے کہ خدا نے سات سمندر پیدا کیے۔ پہلا سمندر زمین (خشکی) کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ اصم، مظلم، مرماس، بحرِ ساکن اور باکی نام کے دیگر سمندر ہیں۔ اور ربیع الابرار بر روایت ''ویب'' مذکور ہے کہ مشہور سمندر سات ہیں۔ جو بحرِ ہند، بحرِ سندھ، بحرِ شام، بحرِ افریقہ، بحرِ اندلس (سپین) بحرِ رُوم اور بحرِ چین کہلاتے ہیں۔

سمندر کی گہرائی:۔ ربیع الابرار میں بہ روایت کعب منقول ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بحرِ چین میں جہاز پر سوار ہو کر گئے اور اپنے اصحاب سے کہا کہ مجھ کو لٹکا دو۔ انھوں نے کتنے ہی دن انھیں سمندر میں لٹکائے رکھا۔ پھر ادھر آئے تو اصحاب نے پوچھا کہ آپ نے کیا دیکھا؟ وہ بولے ایک فرشتے نے میرا استقبال کیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اے آدمی! کہاں کا مقصد ہے؟ میں نے کہا کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس سمندر کی گہرائی کس قدر ہے؟ اُس نے کہا یہ کیونکر ممکن ہے؟ جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے سے ایک شخص اُترا تھا اور اب تک وہ اس کی تہائی گہرائی تک ہی نہیں پہنچا۔ اور اس کو تین سو برس کا زمانہ گزر گیا''۔

(نزہت المجالس۔ جلد دوم۔ ۳۷۰)

جدید سائنسی تحقیق:۔ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق پوری کائنات میں سمندر ہی سمندر ہے۔ خشکی اور پہاڑ بھی سمندری تغیرات کے نتیجہ میں عملِ وجود میں آئے اور آتے رہیں گے۔ تحقیق کے مطابق براعظم کی پلیٹیں (قطع) ایک دوسرے کی مخالفت سمت میں حرکت کرتی ہیں اور ٹکرا جاتی ہیں؛ اگر درمیان میں سمندر حائل ہو تو سمندر کا فرش دباؤ کی بدولت اُوپر اُٹھ جاتا ہے اور پہاڑ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ سمندر کا فرش سمندری لہروں سے شکنوں جیسا ہوتا ہے۔ پہاڑ بھی ان شکنوں کا مسلسل سلسلہ ہوتا ہے جو تہ در تہہ شکن پر شکن بلند ہوتا جاتا ہے۔ ہمالیہ اور دنیا کے دیگر بڑے

بڑے پہاڑ بھی براعظم (خشکی کے بڑے حصّے) کی پلیٹوں کے ٹکرانے کے نتیجہ میں عملاً وجود میں آئے۔ ہمالیہ کا پہاڑ ہنوز بلند ہورہا ہے۔ اسی تصادم کی بدولت سمندر میں سے جزیرے اُبھرتے ہیں اور خشکی پیدا ہوتی ہے"۔

(۲۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو پی ٹی وی پر سمندری تغیرات پر مبنی ایک دستاویزی فلم دکھائی گئی، جو راقم نے خود دیکھی)

ناشتہ:۔

میں سمندر کی گہرائیوں میں کھویا ہوا تھا کہ ایئر ہوسٹس نے ناشتہ کی ٹرے جو سامنے والی سیٹ کی پشت میں لگی ہوئی تھی کو اوپن کر کے چونکا دیا!۔ چکن، انڈے، لیمن، جُوس، کیک پیس، گلاب جامن، مکھن، شہد، اور پتہ نہیں کیا کیا لوازمات پُر تکلف تھے۔ جو ہر سواری کے سامنے کی ٹرے پر آویزاں تھے۔ ناشتہ ڈنر سے بھی سبقت لے گیا۔ زمین و آسماں کے وسط میں بلند فضاؤں میں یہ نعمتِ عظمیٰ "من وسلویٰ" سے کم نہ تھی۔ گھروں میں رُوکھی سُوکھی کھانے والے اب رب کے مہمان تھے اور یہ مہمان نوازی اُس کی عطا کردہ نعمتوں کا حصہ تھی۔ بے شک رب العالمین "خَیرُ الرَّازِقین" ہے کہ خلاؤں میں بھی اپنے بندوں کو رزق کی ترسیل کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا۔

ہمارے طیارہ نے پاکستانی ٹائم کے مطابق نو بجے صبح اور سعودی ٹائم کے مطابق صبح سات بجے جدہ شریف پہنچنا تھا۔ میں نے اپنی گھڑی پر ٹائم پشاور ہی میں سعودی وقت کے مطابق دو گھنٹے پیچھے کر لیا تھا۔ وقت دیکھا تو سات بجنے میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔ نیچے کھڑکی سے جھانکا تو جہاز سمندر ہی پر محوِ پرواز تھا اور ہر طرف تاحدِّ نگاہ سمندر ہی سمندر تھا اور کہیں دُور دُور تک کسی آبادی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ میں اسی سوچ میں گم تھا کہ اچانک جہاز نے انگڑائی لے کر رُخ بدلا اور سامنے جدہ ائیر پورٹ کی بلند و بالا عمارات دکھائی دینے لگیں۔

ٹھیک سات بجے صبح طیارے نے لینڈنگ (Landing) کی اور ائیر پورٹ پر ترتیب وار اُترے۔ دنیا کے سب سے بڑے اس ہوائی اڈہ پر مسافروں کے اُترنے کے لیے

سیڑ ھیں نہ لگائی گئی۔ کیونکہ فٹ پاتھ (FootPath) اتنے اونچے جہاز کی کھڑکی کے لیول کے مطابق بنائے گئے تھے۔ کہ کھڑکی سے اُترتے ہی مسافروں کے قدم فٹ پاتھ ہی پر آجاتے۔

جدہ:۔

آج زہے نصیب میں سمندر کے ساحل پر واقع اُس ''جدہ'' پر فروکش تھا جس کے تذکرے حجازِ مقدس کے سفرناموں میں پڑھا کرتا۔ حج سے واپس آنے والے حاجیوں سے سنتا اور جس کا ذکر نعت خوان اپنی نعتوں اور قوال قوالیوں میں سوز و گداز سے کیا کرتے۔

جب سال کے آخر میں مہینے پہنچ گئے
جدہ میں عاشقوں کے سفینے پہنچ گئے

جدہ کے معنی و مفہوم:۔

جدہ کا نام حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کے وقت رکھا گیا۔ پہلا نام شعبیہ تھا موجودہ ''جدہ'' قدیم جدہ سے ذرا ہٹ کر آباد کیا گیا۔ السنہؓ کی ایک روایت کے مطابق جدہ کے معنی ساحل کے ہیں ۔ایک دوسری روایت کے مطابق وہ حصہ جہاں زمین پانی سے کٹ جاتی ہے جدہ کہلاتا ہے۔ لغت میں جدہ کے معنی دادی اور نانی کے بھی ہیں۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ اور تاقیامت آنے والوں انسانوں کی ''ماں'' سیدہ بی بی حوا علیہا السلام کی قبر مبارک ہے۔ ممکن ہے اسی رعایت سے اس کا نام جدہ (دادی) رکھ دیا گیا ہو۔

جدہ اب نانی ہے نہ دادی بلکہ یہ نئی تہذیب کے ساحلی محبوباؤں سے ایک ہے۔ اگرچہ جدہ شہر میں ہمیں جانے کا موقعہ نہیں ملا؛ لیکن ائیرپورٹ ہی پر جدہ کی جدیدیت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ یہاں کی چھوٹی چھوٹی مارکیٹوں اور اردگرد کی بلند و بالا جدید انداز کی کئی منزلہ عمارتوں سے اس کی جدت طرازیوں کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

ماہنامہ ''چٹان'' کے مدیر شورش کاشمیری مرحوم جدہ کی جدیدیت کی عکاسی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جدہ جو کبھی تھا اب نہیں رہا۔ اور جو ہے وہ بیروت کا ہم زُلف ہے، عربوں کی دولت بیروت کے بعد یہاں نہال ہوتی ہے۔ ایک کُھلی مارکیٹ ہے جہاں یورپ کی تہذیب اپنی مصنوعات سمیت فروخت ہوتی ہے۔ یورپ کی عیش طلبیوں نے جن چیزوں کو ایجاد کیا یہاں بہتات سے بکتی ہیں۔ کپڑا ہے تو اس کے بازار لدے ہوئے ہیں ایک سے ایک بڑھ کر، خیالوں سے نازک کپڑا۔ سوال روپیہ کا نہیں، تیل اور سونے نے عربوں کو اتنا روپیہ دیا ہے۔ کہ سوال اب اس کے خرچ کرنے کا ہے۔ شیوخِ عرب اور امرائے حجاز قیمت نہیں لگاتے، پیسہ لُٹاتے ہیں۔ اُن کی دولت خریدار ڈھونڈتیں اور چوکڑی بھرتی ہے۔ جدہ کی ہررات "الف لیلیٰ" کو محیط ہے۔ "الف لیلیٰ" کہانیوں کا مجموعہ ہے کہ اس کے سوداگر محفلیں سجا کر اونٹوں کی قطار میں ساربانوں کے ہمراہ چلتے اور صحراؤں میں جوت جگاتے تھے۔ اب یہاں اُمویوں کے دمشق کی صبح نگار خانہ اور عباسیوں کے بغداد کی شبِ میخانہ ہر لحظہ جواں ہے۔ اس کی مارکیٹ، بازارِ عکاظ کی روایتوں کو جُھٹلا چکی۔ اور سوق ذوالمجاز کی حکایتوں سے کہیں آگے نکل گئی ہے۔ عربوں کی زمین کا روغن اور عربوں کے جسموں کا خون مغرب نے لگاتار کشید کیا ہے اور اب تک کشید کر رہا ہے۔ جدہ کی عمارتیں کشیدہ قامت ہیں۔ کبھی عرب قدآور تھے اب عمارتیں قدآور ہیں۔ جدہ اُن کا نوشہ ہے یہ اُس کے بَراتی"

(شب جائے کہ من بُودم۔ ص ۱۵۔۱۶)

جدہ ائیر پورٹ:۔

حجازِ مقدس کے مسافر باری باری طیارہ سے باہر آئے۔ ائیر پورٹ آفس میں پاسپورٹ اور دیگر کاغذات کی چیکنگ کا سلسلہ شروع ہوا۔ تین گھنٹوں میں دستاویزات کی تصدیق کا مرحلہ مکمل ہوا۔ ائیر پورٹ کی عمارت سے نکل کر باہر آئے۔ جہاں جا بجا شیڈ تھے۔ نشت واستراحت کے لیے سیمنٹ اور لکڑی کے بینچ لگائے گئے تھے۔ یہاں پر معلم حجاج کی طرف سے عازمین کی فروٹ اور مشروبات سے تواضح ہوئی۔ لیٹرینز، باتھ رومز کا یہاں اچھا انتظام تھا۔ وضو

کے لیے پانی کی خودکار ٹونٹیاں تھیں کہ ان کے نیچے ہاتھ لے جاتے ہی بہنے لگیں اور جب ہاتھ پاؤں ہٹا دیے جاتے تو بند ہو جاتیں۔

جمعہ کا مبارک دن تھا کہ یہ ''سید الایام'' دنوں کا سردار ہے۔ انبیائے کرام کے سردار حضور سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا کہ ''اَلْجُمُعَۃُ عِیْدُ الْغُرَبَاءِ وَحَجُّ الْمَسَاکِیْن. یعنی جمعہ کا دن غریبوں کے لیے عید اور مساکین کے لیے یوم الحج ہے۔ میں نے غسل کیا اور کپڑے بدلے۔ اشتیاق تھا کہ نمازِ جمعہ کی سعادت حرم شریف میں حاصل ہو جائے۔ لیکن نمازِ ظہر وہیں ائیر پورٹ لان میں ادا کی۔ ''بیت اللہ'' شریف کی حاضری کے لیے دِل ڈولنے لگا۔ کاش سُرخاب کے پَر لگ جائیں اور اُڑ کر دیارِ حرم میں جا پہنچوں۔ آخر خدا خدا کر کے ایک خصوصی بس آئی۔ اور سٹینڈ پر کھڑی کر دی۔ حجاج صاحبان نے اپنے اپنے سامان اُٹھانے میں افراتفری مچا دی۔ سب نے سٹینڈ کے اُس حصہ پر دھاوا بول دیا؛ جہاں سامان اتارا جا رہا تھا۔ ہر کسی کو اپنے اپنے سامان کی فکر تھی۔ وہ ہونٹ جو طیارے میں محوِ جنبش تھے؛ ساکت ہو گئے۔ ہاتھ میں گھومتی تسبیحیں کلائیوں پر چڑھا دی گئیں۔ اور جن آنکھوں میں ''انوارِ کریمن'' کی چمک دمک تھی وہ آنکھیں رختِ سفر کی نگرانی کرنے لگیں کہ ان کا سامان کہیں اور منتقل نہ ہو جائے۔

طیارے سے لایا گیا سامان حرم کے مسافروں نے بس کی چھت پر اور کچھ اندر رکھا اور پھر اطمینان سے سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ بس میں بیٹھے بیٹھے طبیعت اُکتانے لگی تو میں نے اپنے بازو پر لٹکے ہوئے حج بیگ سے ایک نعتیہ کتابچہ نکالا؛ تاکہ گاڑی چلنے تک اپنے آپ کو مصروف رکھوں۔ کتابچہ کھولتے ہی کچھ اشعار پر نظر پڑی جو مطابقِ حال تھے۔ اپنی خیالات پر مبنی میں نے بھی کچھ اشعار کہے؛ جو میرے ذاتی محسوسات کے آئینے دار ہیں۔

سرورِ کون و مکاں تک آگئے
ہم مکاں سے لامکاں تک آگئے

اللہ اللہ ! ایک پَل میں کیا ہُوا؟
کل کہاں تھے؟ اب کہاں تک آ گئے

آسماں نیچے زمیں پر آ گیا
یا زمیں سے آسماں تک آ گئے

سامنے ہے گنبدِ خضرا نشیں
پہلوئے باغ جناں تک آ گئے

جس جگہ قُدسی ہزاروں سجدہ ریز
بوسہ گاہِ قُدسیاں تک آ گئے

منبر و صُفّہ، مصلّی و نماز
روضۂ جنت نشاں تک آ گئے

بے بسی بے چارگی آوردہ ام
واہ خوش بختی یہاں تک آ گئے

یارسول اللہ ﷺ ! نگاہِ لطف ہو
سگ بھی سنگِ آستاں تک آ گئے

آپ کی رحمت سے انوّر سے علیل
چارہ سازِ بے کساں تک آ گئے

مکہ مکرمہ جانے والے بس میں سوار حجاجِ کرام، ڈرائیور کی آمد اور بس کی روانگی سے مایوس ہو کر آرام سے پُرسکون بیٹھے تھے؛ کہ اچانک بس نے جھٹکے سے آگے کو کچھ حرکت کی۔ سب چونک پڑے اور میری نشست سے آگے کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک ساتھی تو ہڑ بڑا کر کھڑے ہو گئے اور گھبرا کر کہنے لگے او ہو یہ کیا۔۔۔؟ اور پھر ذرا بلند ہو کر ڈرائیور کو دیکھا تو یہ کہتے ہوئے کہ اچھا اچھا ڈرائیور آ گیا ہے۔ میں سمجھا تھا شاید ڈرائیور کے بغیر ہی گاڑی چل پڑی۔ متعلقہ غیر حاضر

دماغ ساتھی کی اس حماقت پر پر سب احباب ہنس پڑے اور میں سوچنے لگا؟ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

جملہ زائرین حجاز سے بس میں پاسپورٹ جمع کیے جانے لگے تو میں نے اپنے پاسپورٹ سے صفحہ نمبر نو (۹) جو امریکی چیک ڈالرز کی ریالوں میں تبدیلی کے لیے لازمی ہوتا ہے؛ پھاڑنا چاہا تو گروپ لیڈر زمان نے پھاڑنے سے روکتے ہوئے کہا کہ وہ مکہ معظمہ میں بعد میں اپنے معلم سے جملہ گروپ ساتھیوں کے مذکورہ صفحات لے آئے گا۔ چنانچہ سب نے پاسپورٹ جوں کے توں ڈرائیور کے حوالے کر دیے۔

سوئے حرم:۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کے نغمۂ جانفزا کی گونج میں کوسٹر مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئی۔ جدہ سے مکہ مکرمہ تک دُہری سڑک جس کے وسط میں دو بازوؤں کی طرح بجلی کی ٹیوبوں کا سلسلہ تا حدِ نگاہ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ دائیں بائیں پہاڑ ہیں اور درمیان میں گیسوئے جاناں کی مانگ کی طرح سڑک گھومتی چلی گئی ہے۔ اور مجھے خیال آیا کہ روائتی سڑک نہیں بلکہ یہی وہ صراط مستقیم ہے جو بندوں کو خدا تک پہنچاتی ہے۔ راستے میں حدیبیہ کے مقام سے گزر ہوا۔ جہاں صلحِ حدیبیہ کا مشہور واقعہ ہوا۔ جو آج بھی دنیا میں امن دوستی کے آئین کا درجہ رکھتا ہے۔

حدودِ حرم شریف میں درُود:۔ حدودِ حرم شریف دخول کے ساتھ ہی دعا کے لیے ہاتھ اُٹھ گئے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَأَلَکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّد ﷺ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّمَا اسْتَعَاذَمِنْہُ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّد" ﷺ

ترجمہ:۔ اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی؛ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ اے اللہ! میں تجھ سے وہ بھلائی مانگتا ہوں جو تجھ سے تیرے نبی حضرت محمد ﷺ نے

مانگی اور میں اُس برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس سے تیرے حبیب محمد عربی ﷺ نے پناہ مانگی"

مکہ مکرمہ میں کئی کلومیٹر تک حدودِ حرم شریف کی نشان دہی کے نشان لگائے گئے ہیں۔ اس سرزمینِ مقدس میں داخل ہوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے ایک عاجز مسکین وغریب شہنشاہ کبیر کی بارگاہِ بے کس پناہ میں شرف باریابی کے حصول کے لیے حاضر ہو۔

ترجمہ:۔اے اللہ! یہ تیرا اور تیرے رسول ﷺ کا حرم ہے۔بس تُو میرے گوشت، خون اور ہڈیوں کو آگ پر حرام کردے۔اے اللہ! مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھ۔جس روز تو اپنے بندوں کو اُٹھائے گا؛ اور مجھے اپنے ولیوں اور اطاعت گزاروں میں کردے اور میری طرف توجہ فرما۔بے شک تو توبہ قبول کرنے والا ہے"

مرکزِ کائنات:۔

کائنات کی تخلیق کے بعد زمین کی آبادکاری کا آغاز بھی اسی سرزمینِ مقدس پر سے ہوا۔محققینِ ارضیات بتاتے ہیں کہ تخلیق کے بعد کائنات میں پانی ہی پانی تھا۔وہ مقام جہاں اب "بیت اللہ شریف" ہے۔یہیں سے خشکی کا آغاز ہوا۔پہلے کچھ پانی منجمد ہونا شروع ہوا اور پھر خشکی کا ایک ٹکڑا بن گیا۔اُس ٹکڑے پر ملائکہ نے حق تعالیٰ کے حکم پر "اللہ کا گھر" تعمیر کیا اور یوں پوری دنیا میں زمین پر بنائے جانے والا پہلا مکان ہے۔جیسے خود باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ اَوَّ لَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّا سِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَ كاً وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا؛ وہ ہے جو مکہ میں ہے۔برکت والا اور سارے جہان کا رہنما۔۔۔اس میں کھلی نشانیاں، ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ؛ اور جو اس میں آئے امان میں ہو۔اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے۔جو اس تک چل سکے اور اور جو منکر ہے تو اللہ اس سارے جہاں سے بے پرواہ ہے۔

لیکن افسوس لوگوں نے اللہ کے حکم عدولی کی اور اس کے پاک گھر کو بھی بتوں سے بھر دیا۔

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

اور پھر جنابِ رسالت پاک ﷺ کی برکت اور فیض سے نہ صرف بیت اللہ شریف بتوں سے پاک ہوا بلکہ بت پرست اسلام کی دولت سے مشرف ہو کر کعبہ شریف کے متولی اور پاسبان بن گئے؟

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

بلاد الفردوس:۔ زہے نصیب آج ہم شہروں کی اُس دلہن کی طرف رواں دواں تھے جس میں اللہ کا "گھر" ہے اور اس شہر کے ذروں نے محبوبِ کردگار حضور ﷺ کے نعلینِ مبارک کے بوسے لیے ہیں۔ اس شہر کی عظمتوں کا کیا کہنا کہ جس کی اپنے حبیب ﷺ کی نسبت کی وجہ سے خود خالق کائنات نے قسمیں کھائی ہیں۔ لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ

ترجمہ: میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں جس میں تو رہتا ہے۔

مکہ معظمہ کی عظمتوں سے کلام اللہ لبریز ہے۔ عازمینِ حجاز کی شہرِ مکہ پر نگاہ پڑتی ہے تو روح سراپا نیاز بن کر بارگاہِ ایزدی میں التجا کرنے لگتی ہے۔

"اے اللہ! مجھے اس میں قرار اور سکون عطا فرما اور مجھے حلال روزی دے۔ اے اللہ یہ یہ شہر تیرا شہر ہے اور یہ گھر تیرا گھر ہے۔ میں تیری رحمت کی طلب کے لیے آیا ہوں۔ تیری رحمت چاہتا ہوں اور تیری تقدیر پر راضی ہوتے ہوئے اور تیرے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے تیری اطاعت کا قصد کرتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہے۔ ایک پریشان حال اُس شخص کا سوال جو تیرے عذاب سے ڈرتا ہو۔ میری آرزو ہے کہ تو اپنی معافی کے ساتھ میری معذرت قبول فرما اور اپنی رحمت کے ساتھ مجھ سے درگزر فرما اور مجھے جنت میں داخل فرما۔ آمین"

دیارِ حبیب کے کوچوں میں:۔

ہماری بس مکہ معظمہ کے گلی کوچوں میں رینگتی چلی جا رہی تھی۔ لمبی لمبی، اونچی

دیواریں دُور تک پھیلی ہوئی۔کہیں پر موڑ آجاتے اور کہیں ڈھلوان سطح پر گاڑی یوں سرنگوں ہو جاتی جیسے کعبہ معظمہ کی جانب سجدہ ریزی کر رہی ہو؛ اور کہیں نشیب سے فراز کی طرف یوں اُٹھتی جیسے پہاڑ کی بلندیوں پر آسمان سے آنکھ ملاتے ہوئے اپنی برتری کا احساس دلا رہی ہو۔کہ ''اے گنبدِ آبگینہ رنگ آج تیری بلندیوں کو بھی میرے مقدر پر رشک آتا ہوگا اور رشک کیوں نہ آئے کہ جس محبوبِ بے ہمتا و یکتا نے آسمانوں کو صرف ایک بار شبِ معراج کو اپنے قدموں سے مشرف فرمایا جب کہ مکہ معظمہ کی گلی کوچوں میں تو پورا بچپن اور جوانی گزاری۔اس کے صحراؤں میں بکریاں چرائیں، جنگلوں میں شیروں کو اپنے دیدار سے سیراب کیا اور غاروں میں اللہ سے راز و نیاز کی لذتوں سے باریاب ہوئے۔آپ ﷺ کے قدومِ مبارکہ کی برکت سے مکہ کے ذرے آفتاب بن گئے اور آج بھی ان ذکروں کے حضور میں آفتاب کی کرنیں خمیدہ سر ہو کر سلامِ عقیدت پیش کر رہی ہیں۔

قیام گاہ میں وَرُوْد:۔

مکہ شریف کے ایک محلہ جرول کے ایک چوٹی نما جگہ پر ہماری بس رُکی۔یہاں ایک چھ منزلہ عمارت میں اللہ کے مہمانوں کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔پاکستانی مسافروں کا سامان بس سے اُتار کر ڈھیر کر دیا گیا ہماری رہائش تیسری منزل پر تھی۔لفٹ Lift بند تھی۔لہٰذا تھکے ہارے بھاری بھر کم سامان اٹھا کر گھومتی، گھماتی پیچدار سیڑھیوں سے بالائی چوبارے پر پہنچے۔چھوٹے چھوٹے کمرے اور ایک کمرے میں آٹھ، نو بندوں کی رہائش رکھی گئی تھی۔بستر بچھائے گئے۔A.C ہر کمرے میں موجود تھا۔البتہ گیس کے سلنڈر، چولہے اور فرنیچرز وغیرہ سٹور روم میں مقفل کر دیئے گئے تھے۔غسل خانوں میں پانی کے نکاسی کا انتظام غیر تسلی بخش تھا اور لیٹرین کے کموڈ بھی خراب تھے۔ساتھ کے کسی قریبی مکان سے انڈین گانوں کے کیسٹ کی آواز آئی۔عام طور پر پاکستانی گلوکارہ زبیدہ خانم کے پنجابی کلاسیکل گانے ہمہ وقت سنائی دیتے۔کاش زبیدہ کا یہ نعتیہ نغمہ بھی سنائی دیتا۔

کوئی کیا جانے کوئی کیا سمجھے
سن عرض میری کملی والے

بہرحال پاکستانی ارباب بست وکشاد کا اس قسم کی عمارت کا انتخاب ان کے خود غرضانہ، غیر ذمہ دارانہ مزاج کا عکاس ہے۔ جبکہ ہر عازم حج سے ایک ہزار دو سو نوے ریال رہائش مکہ معظمہ کے وصول کئے گئے تھے۔ سامان کو کمرے میں ترتیب دے دیا گیا ہمارے بیڈروم میں میری والدہ محترمہ، عبدالستار اور اس کی سوتیلی والدہ اور اہلیہ عبدالغفور اور اہلِ خانہ اور حاجی محمد زمان صراف تھے۔ گروپ لیڈر حاجی محمد زمان میوہ فروش اور ان کے دیگر ساتھی مرد و زن چوتھی منزل پر فروکش تھے۔ ساتھ کے کمرے میں الحاج الٰہی بخش صابر، ان کی بہو اور سمدھی ہمیش گل انجینئر اور ان کی گھر والی رہائش پذیر تھے۔

☆☆☆☆

۱۹۰۵ء میں اقبال نے انگلستان جاتے ہوئے دہلی میں جو نظم "التجائے مسافر" خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر پڑھی تھی۔ اس میں سید میر حسن کے متعلق یہ اشعار ہیں:

وہ شمعِ بارگہِ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثلِ حرم، جس کا آستاں مجھکو
نفس سے جس کے، کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھکو
دعا یہ کر کہ خداوندِ آسمان و زمین
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھکو

اقبال کو ۱۹۲۳ء میں "سر" کے خطاب کی پیش کش کی گئی تو انہوں نے گورنر پنجاب سے کہا کہ جب تک ان کے استاد سید میر حسن کی علمی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے۔ وہ خطاب قبول نہ کریں گے۔ گورنر نے پوچھا کہ کیا سید میر حسن کی کوئی تصانیف ہیں؟ اقبال نے جواب دیا، میں خود ان کی تصنیف ہوں۔ چنانچہ اقبال کے خطاب کے موقع پر سید میر حسن کو بھی شمس العلماء کا خطاب ملا۔ [زندہ رُود۔ از: ڈاکٹر جاوید اقبال]

حضرت مولانا میاں محمد موسیٰ فتح پوریؒ

خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ

راجہ نور محمد نظامی ☆

خانقاہ چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ مکھڈ شریف کے بانی حضرت مولانا محمد علی قریشی المعروف مولوی صاحب مکھڈیؒ متوفی ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء کے خلفائے کرام کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مگر آپ کے جن نو خلفا کا ذکر آپ کے اولین تذکرہ نگار حضرت مولانا عبدالنبی قریشیؒ بھوئی گاڑ نے اپنی قلمی کتاب ''تذکرۃ المحبوب'' ۱۳۰۶ھ (۱۸۸۹ء) میں کیا[1]۔ بعد میں آج تک کسی بھی تذکرہ نویس نے مزید کسی خلیفہ کے احوال کا ذکر نہ کیا۔ الحمدللہ یہ سعادت بھی مولانا عبدالنبی قریشیؒ کے ایک گرائیں کو ہی حاصل ہو رہی ہے کہ حضرت مولانا صاحب مکھڈیؒ کے ایک خلیفہ کے احوال بڑی تلاش اور تحقیق کے بعد تحریر کر رہا ہوں۔ آج سے اڑتیس سال قبل کی بات ہے کہ میں اگست ۱۹۷۸ء میں اسلام آباد کے سفر سے واپسی پر گولڑہ شریف حضرت مولانا پیر مہر علی شاہؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا۔ فاتحہ خوانی کے بعد مولانا سید سکندر شاہ ہزارویؒ (باجگراں نزد حویلیاں ضلع ایبٹ آباد) سے ملا؛ جو اُن دنوں جامعہ غوثیہ گولڑہ میں مدرس تھے اور ساتھ ہی مسجد کے باہر ایک برآمدے میں فروخت کے لیے کتابیں بھی لگایا کرتے تھے۔ اُن سے چند کتابیں خریدیں جن میں مولانا عبدالحکیم شرف قادری کی کتاب ''تذکرۂ اکابرِ اہلسنت'' بھی تھی۔

گھر آ کر اس کتاب کا مطالعہ کیا تو صفحہ ۲۹۲ پر حضرت مولوی صاحب مکھڈیؒ کے ایک خلیفہ وشاگرد حضرت محمد موسیٰ فتح پوری کے بارے میں مندرجہ ذیل چند سطریں لکھی ہوئی تھیں۔

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم غلام احمد بن شیر محمد بن جان محمد بن فقیر اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ موضع سہارن خورد تحصیل وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے مشہور افاضل سے علومِ دینیہ کی

☆ تاریخ نگار و تذکرہ نویس، بھوئی گاڑ۔ اٹک

تحصیل کی جن میں حضرت مولانا محمد موسیٰ فتح پوری اور مولانا غلام رسول ساکن علی پور تحصیل وزیر آباد خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں اپنے استاد حضرت مولانا محمد موسیٰ خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ خلیفہ حضرت پیر پٹھان خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس اسرارہم سے بیعت ہوئے اور خلافت سے سرفراز کیے گئے۔[۲]

گزشتہ اڑتیس سال میں بندۂ ناچیز بے شمار کتبِ سوانح، تذکرہ اور تواریخ کا مطالعہ کیا۔الحمد للہ میرے ذاتی کتب خانہ میں تقریباً پانچ ہزار کتب سوانح، تذکرہ اور تواریخ پر موجود ہیں۔جن میں مکھڈ شریف کے مشائخِ عظام، اقوام اور تاریخ پر تقریباً تمام کتب موجود ہیں۔مگر حضرت مولانا محمد موسیٰ کے مزید احوال نہ ملے۔

ابھی گزشتہ ماہ ۲۴؍نومبر ۲۰۱۶ء بروز جمعرات کو لاہور کے ایک ہفتہ کے پروگرام پر روانہ ہوا۔راستہ میں طے شدہ پروگرام کے مطابق پنڈی بھٹیاں ضلع حافظ آباد موٹروے انٹرچینج سے ڈاکٹر خضر نوشاہی صاحب کے ہمراہ اُن کی گاڑی میں ساہیال شریف ضلع منڈی بہاء الدین جارہے تھے۔جلال پور بھٹیاں شہر سے گزرنے کے بعد آپ نے دورانِ گفتگو فرمایا کہ آگے راستے میں قصبہ ونیکے تارڑ آئے گا۔جہاں کے ہائی سکول میں مولانا محمد عالم آسی امرتسریؒ کے خاندان کی ایک صاحبِ علم شخصیت میاں ضمیر احمد وسیر مدرس ہیں۔تو فوراً میرے ذہن میں ''تذکرۃ اکابرِ اہلسنت'' کی عبارت آگئی۔میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کیا واقعی میاں ضمیر احمد صاحب مولانا محمد عالم آسی امرتسریؒ کے خاندان سے ہیں۔میں اُن کے خاندان کو گزشتہ کئی سالوں سے ڈھونڈ رہا ہوں؛ کیونکہ مولانا محمد عالم آسی امرتسریؒ کے دادا حضرت مولانا غلام احمد حافظ آبادیؒ کے پیرومرشد اور استاد میاں محمد موسیٰ فتح پوریؒ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ خلیفہ حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے شاگرد اور خلیفۂ مجاز تھے؛اور میرے بزرگوں کا تعلق بھی حضرت مولوی محمد علی مکھڈیؒ سے تھا۔میرے لکڑ دادا راجہ محمد حفیظ خانؒ حضرت مولانا صاحب مکھڈیؒ کے مریدینِ خاص میں سے تھے۔اور میرے پڑدادا راجہ نظام الدین خانؒ کا نام حضرت مولانا صاحب

مکھڈیؒ نے رکھا تھا اور میں اپنے پڑدادا کی نام کی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ نظامی لکھتا ہوں۔

ڈاکٹر خضر نوشاہی صاحب میری یہ باتیں سُن کر بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے۔نظامی صاحب دعا کرو کہ میاں صاحب سکول میں ہوں تو ہم انشاء اللہ ابھی چند منٹ میں آپ کی ملاقات اُن سے کرواتے ہیں۔الحمدللہ قسمت نے ساتھ دیا اور میاں ضمیر احمد وسیر صاحب سے سکول میں ملاقات ہوگئی۔میاں صاحب سے ڈاکٹر صاحب نے میرا تعارف کتب خانے اور لکھنے لکھانے کے حوالے سے کروایا تو بہت خوش ہوئے اور پھر جب مکھڈ شریف کا ذکرِ خیر ہوا تو ان کی خوشی دیدنی تھی۔میری بڑی عزت وتوقیر کی اور محبتیں عطا کرتے رہے۔

مکھڈ شریف کے مشائخ عظام کے متعلق بات ہوئی تو فرمانے لگے ہمارے بزرگوں کا مکھڈ شریف سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ہمارے آباؤ اجداد کی بیعت حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ سے تھی۔ہمارے بزرگوں میں سے کئی پشت اُوپر حضرت میاں غلام احمد وسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ سیالؒ خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے فیض یافتہ اور خلیفہ مجاز تھے اس کے علاوہ آپ حضرت مولانا خواجہ زین الدینؒ سجادہ نشین مکھڈ شریف سے بھی بیعت اور خلیفہ مجاز تھے۔آپ کی بیاض میں حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کا کلام ابیات وغزلیات محفوظ ہے۔جبکہ آپ کے نام حضرت مولانا خواجہ زین الدین مکھڈیؒ کا ایک مکتوب گرامی بھی میرے پاس موجود ہے۔وقت کی کمی کی وجہ سے ہم نے اجازت لی کیونکہ آپ کا بھی ڈیوٹی ٹائم تھا۔آپ نے واپسی پر اپنے بزرگوں کے احوال پر ایک کتابچہ عنایت کیا اور مزید مواد چند دن تک بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔جو میرے سفر لاہور کی واپسی سے قبل بذریعہ ڈاک بھوئی گاڑ پہنچ چکا تھا۔جس پر میں میاں ضمیر احمد وسیر صاحب ایوانِ دائم حضوری پاکستان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

حضرت مولانا میاں محمد موسیٰ فتح پوریؒ

قطب الاقطاب شیخ العصر حکیم وقت حضرت مولانا میاں محمد موسیٰ بن میاں غلام رسول بن میاں ظاہر جمال قوم راجپوت سیال اغلباً تیرھویں صدی ہجری کے پہلے ربع میں موضع فتح پور

تارڑ ضلع حافظ آباد پنجاب میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والدِ گرامی حکیم میاں غلام رسول اپنے علاقہ کے مشہور عالم دین اور طبیب تھے۔اور آپ کے جدِ امجد کا اسمِ گرامی میاں ظاہر جمال سیال تھا۔جو اپنے بھائی میاں ابراہیم کے ساتھ تشریف لا کر اس علاقہ میں آباد ہوئے۔پیر ظاہر جمال سیال کا مزار موضع ٹھٹھہ نور شاہ میں ہے۔

مولانا میاں محمد موسیٰ ؒ نے ابتدائی اپنے والدِ گرامی مولانا حکیم میاں غلام رسولؒ سے حاصل کی۔بعدازاں مزید تعلیم کے لیے اس زمانے کی مشہور درسگاہ مکھڈ شریف ضلع اٹک تشریف لے گئے۔اور سلسلہ چشتیہ کے آفتاب عالم تاب حضرت خواجہ مولوی محمد علی مکھڈ ویؒ سے علمِ ظاہری کے ساتھ علمِ باطنی کے بھی مدارج طے کر کے خلیفہ مجاز ہوئے۔مکھڈ شریف میں دورانِ تعلیم حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی [سیال شریف۔ضلع سرگودھا] بھی آپ کے ہم درس تھے۔خواجہ شمس الدین سیالوی حضرت مولوی صاحب مکھڈی کے پیر و مرشد حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی المعروف پیر پٹھان سے بیعت ہوئے۔جبکہ مولانا میاں محمد موسیٰ سیال نے حضرت مولوی صاحب مکھڈوی سے فراغتِ علوم ظاہری کے بعد سلوک و تصوف کی تعلیم حاصل کر کے خلافت حاصل کی۔بعدازاں آپ اپنے وطن واپس تشریف لے گئے۔

آپ کو اپنے پیر و مرشد سے تمام سلاسلِ طریقت میں اجازتِ بیعت تھی۔تاہم آپ سلسلہ چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ میں ہی لوگوں کو بیعت فرمایا کرتے تھے۔اپنے گاؤں فتح پور میں اشاعتِ سلسلہ کے ساتھ ساتھ آپ درس و تدریس بھی فرمایا کرتے تھے۔جلد ہی آپ کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ہزاروں طالبانِ حق نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور سینکڑوں طالبانِ علم نے آپ کے خرمن فیض سے اکتسابِ علم کیا۔

آپ اپنے علاقے کے نامور شیخ الطریقت، عالم با عمل، مدرس، قاضی اور طبیب بھی تھے۔آپ فتویٰ بھی لکھا کرتے تھے جو فضلاءِ وقت کے لیے سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ذریعۂ معاش

طب تھا۔ آپ مطب کیا کرتے جس کی شہرت دور ونزدیک تھی یہ آپ کے وعظ وتذکیر اور درس وارشاد کا نتیجہ ہی تھا کہ سکھا شاہی کے پُر آشوب دور میں بھی یہاں کے مسلمان اپنے اسلامی تشخص سے آگاہ رہے؛ یہی نہیں بلکہ سینکڑوں کفار مشرف بہ اسلام ہوئے۔ [۳]

آپ اخلاقِ حسنہ کا نمونہ، بے رِعا عابد، صاحبِ معرفت اور کانِ علم تھے۔ مہمان نوازی ،فیاضی ،خوش خلقی ،قناعت ،استغنا آپ کے اخلاقِ عالیہ کے ممتاز اوصاف تھے۔ آپ صاحبِ جلال بزرگ بھی تھے۔ ہر کہ وماہ کی کیا مجال کہ آپ کی مجلس میں دَم مار سکے۔ صرف قسمت والے ہی داخلِ طریقت ہوا کرتے تھے۔ شریعت ''فقۂ حنفیہ'' کی علمی اور عملی تعلیم آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ آپ صاحبِ کشف وکرامات بھی تھے۔

مولانا میاں شیخ محمد سہروردی بن فقیر اللہ بن محمد حیات وسیر راجپوت ہنجر واں ضلع حافظ آباد کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ اولاد میں ایک صاحبزادے حضرت مولانا مفتی میاں غلام محمد تھے۔ جو آپ کے شاگرد وخلیفہ اور مسند نشین تھے ان کے احوال آگے خلفاء میں درج ہیں۔

آپ نے بروز جمعتہ المبارک ۶ رمضان المبارک ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کیا اور موضع فتح پور میں ہی مدفون ہوگئے۔ [۳]

آپ کی وفات پر آپ کے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا قاضی صالح محمد آف راگھو سیداں نے فرمایا؛ آج اس دور کا سب سے بڑا مسلمان دنیا کی نگاہوں سے اُوجھل ہوگیا۔ [۴]

تذکرہ شاعرِ جمالِ رسالت ''میاں غلام احمد وسیر تے اونیاں دا خاندان'' میں آپ کا شجرۂ طریقت لکھا ہوا ہے۔ جس کے تین اشعار پیش خدمت ہیں۔

حضرت خواجہ سلیماں اہلِ جہاں کے دستگیر
قبلۂ حاجات و کعبہ مدعا کے واسطے
کرم کر مجھ پر طفیلِ خواجۂ عالی جناب
خواجہ محمد علی بحرِ صفا کے واسطے

خواجہ محمد موسیٰ مقبول خدا
رحم کر مجھ پر خدا اُس پیشوا کے واسطے

۵

حضرت مولانا محمد عالم آسی آمرتسری کے والدِ گرامی حضرت مولانا حکیم حافظ حمید الدین وسیر ''ذکر دائم حضوری'' آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

میرے والد دے سن پیر محمد موسیٰ کامل
بلکہ حضرت موسیٰ ثانی نام اخلاقاں شامل
حضرت موسیٰ صلوات اللہ طُور اُتے نِت جاندے
دِل دے مطلب پچھ پچھا کے مقصد ربوں پاندے
موسیٰ ثانی وِچ دریا وحدت دے غوطہ لاون
فیضِ حقانی رحمتِ ربی ہر وَیلے پے پاون
عالم ربانی تے فاضل شرعی طور نورانی
بدعت شرک نہ نیڑے آوے جتھے شیر حقانی
خُلق عظیم رسول اللہ دے وچوں حصہ پایا
طالب دین ہویا جو آکے اوس نے دین وَدھایا
گمراہی دا بوٹا مُڈھوں پٹیا اوس وَجودوں
جس نے مجلس پائی اوس نوں فضل ہو یا معبودوں
اکثر ایہہ گل ثابت پکی فرق نہ کوئی جانو
صحبت اثر کریندی پورا نیکوں نیک پچھانو
مجلس خاص وَلی دے اندر جو کوئی حاضر آوے
نال محبت بیعت لوڑے دین نبی دا پاوے

ولی خدا دا عالم فاضل دینی علم سکھاوے
ظاہر باطن والی سیاہی دل تھیں دُور وگاوے[6]

آپ کے تین شاگرد جو خلفا بھی تھے نامور ہوئے۔

۱۔ حضرت مولانا مفتی میاں غلام محمد [فرزند]

۲۔ حضرت مولانا حکیم غلام احمد وسیر حافظ آبادی

۳۔ حضرت مولانا مفتی غلام حسن چک بھٹی نزد جلال پور بھٹیاں

حضرت مولانا مفتی میاں غلام محمد سیال

حضرت مولانا میاں محمد موسیٰ فتح پوری کے فرزندِ رشید اور حقیقی جانشین تھے۔تمام علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔تاہم حضرت زینت الاولیاء حضرت مولانا خواجہ زین الدین مکھڈویؒ سے بھی بیعت اور خلیفہ مجاز تھے۔تمام زندگی درس وتدریس، فتویٰ نویسی اور اشاعت سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ کی اشاعت میں بسر ہوئی۔ فقہی علوم پر بڑی دسترس تھی۔آپ کی دست نویس فقہی مسائل کی کتاب جو خطِ نسخ میں ایک شاہکار ہے۔یہ خطی نسخہ ہے جو میاں محمد اسلم وسیر ساکن لاہور کے پاس محفوظ ہے۔

آپ کے دستِ حق پرست پر سینکڑوں لوگ تائب ہو کر مبلغ اور واعظ بنے اور کئی غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہو کر مسلمان ہوتے۔آپ صاحب کشف وکرامات بھی تھے۔

آپ کا وصال ۳ر صفر المظفر ۱۲۹۳ھ بمطابق ۱۷ر فروری ۱۸۷۶ء میں ہوا اور والدِ گرامی کے ساتھ دفن کیے گئے۔آپ کی اولاد میں تین فرزند تھے۔

۱۔میاں ہدایت اللہ

میاں ہدایت اللہ اور اُن صاحبزادگان میاں محمد الدین ومیاں محمد حسن حضرت خواجہ غلام محی الدین مکھڈوی سے بیعت تھے۔جبکہ پوتے مولانا حکیم نور محمد حضرت مولانا خواجہ احمد الدین مکھڈوی سے بیعت تھے۔

۲۔ میاں محمد عالم ۳۔ میاں محبوب عالم ۷

حضرت مولانا حکیم غلام احمد حافظ آبادی:

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم غلام احمد بن شیر محمد بن جان محمد بن فقیر اللہ قوم وسیر راجپوت موضع سہارن خورد تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے مشہور افاضل سے علوم دینیہ کی تحصیل کی؛ جن میں سے حضرت مولانا غلام رسول المعروف مولانا کرامت علی نقشبندی ساکن علی پور (وزیر آباد) خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی اور حضرت مولانا میاں محمد موسیٰ چشتی فتح پوری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں اپنے استاد حضرت مولانا محمد موسیٰ خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی خلیفہ حضرت پیر پٹھان خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس اسرارہم سے بیعت ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ ۸

چاروں سلاسل طریقت میں بالخصوص سلسلہ چشتیہ نظامیہ سلمانیہ میں خلافت واجازت خانقاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی مسند نشیں حضرت زینت الاولیاء حضرت مولانا خواجہ زین الدین مکھڈیؒ سے بھی تھی۔ حضرت زینت الاولیا کی صحبت میں بھی رہے۔ حضرت زینت الاولیا کا ایک مکتوبِ گرامی جو آپ کے نام لکھا گیا تھا۔ ڈاک لفافے کی عبارت کچھ یوں ہے۔

لفافہ ہٰذا بہ ضلع گجرانوالہ تحصیل حافظ آباد بمقام کولوتارڑ بہ مطالعہ فضائل وکمالات پناہ مولوی صاحب مولوی غلام احمد صاحب دارند۔ فقیر زین الدین از مقام مکھڈ مورخہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۲۹۰ھ (ڈاکخانہ کی مہروں میں جون ۱۸۷۳ء لکھا ہے)۔ یہ مکتوب گرامی آپ کے اخلاف میں میاں ضمیر احمد وسیر کے پاس محفوظ ہے۔ اور اس کا عکس کتب خانہ راجہ نور محمد نظامی بھوئی گاڑ تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک میں بھی موجود ہے۔ اس کی عبارت درج ذیل ہے۔

بخدمت فضائل وکمالات پناہِ فواضل وبلاغت دستگاہ قدوۃ المحققین زبدۃ المدققین اعنی مولوی صاحب مولوی غلام احمد جی سلامت۔

ازایں جانب بعد تبلیغ مراسم سلام سنت خیر الکلام علیہ والہ وصحبہ الصلوۃ والسلام۔ واز رُوے ملاقات خورسندی علامات مشہورۃ خیر باد۔ کہ احوال ایں حدود بفضل ایزد وُدود قرین حمد وشکر صحت وتنومندی آں صاحب مدام مطلوب القلوب است،

مراسلہ مرسلہ رسید ہا حقیقہ پیش ہا بحصول درآمد یا باعث خورسندی وموجب از دیار دعوات گردیدہا کہ اللہ تعالیٰ آں فضائل پناہ راازاشرور اشرار الناس محفوظ ومامون داشتہ۔ بہ مقاصد علیا داریں فائز گرداند۔ بحرمت النبی والہ الامجد وجیت دفع ضرر فرقۂ نجدیاں ودیگر بدخواہاں۔ پنج صدبار ''حسبی اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر'' روزمرہ خواند ہاباشند کہ حق تعالیٰ بفضل وکرم انہارادور ومدفع خواہد ساخت۔

وترتیب ختم شریف این است۔ ۱۰ بار درود شریف بخوانند۔ بعدہٗ صدوشصت بار لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِ الْعَظِیْم.. لَا مَلْجَاءَ وَلَامَنْ جَا مِنْہُ اِلَّااِلَیْہ... خوانند ہا۔ پس ازیں سہ صدوشصت بار اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ خوانند بعد ہا۔۳۶۰ بار۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِ الْعَظِیْم.. لَا مَلْجَاءَ وَلَامَنْ جَا مِنْہُ اِلَّااِلَیْہ... خوانند ہا۔۔ وبازہ ۱۰ بار درود شریف خوانند وثواب ایں ختم شریف بہ ارواحِ چشت بزرگوار چشت رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہ بخشند۔ از حضرت ابواسحاق شامیؒ تا بہ حضرت خواجہ اجمیر شریف کہ مع ایں ہر دوٗ مابین جملہ ہشت اند۔ فقط

آپ نے ابتداً کچھ عرصہ موضع سہارن خورد میں گزارنے کے بعد موضع کولوتارڑ ضلع حافظ آباد تشریف لے گئے اور وہاں وعظ وتبلیغ، درس وتدریس، امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ ذریعہ معاش کے لیے حکمت بھی کرتے تھے۔ بہت کم لوگوں کو بیعت فرمایا کرتے۔ تفسیر، حدیث ،فقہ، منطق ،فلسفہ اور تصوف کے بہت بڑے عالم تھے۔ صاحب تصانیف بھی تھے۔ عربی، فارسی اور پنجابی میں شعر بھی کہتے۔ خطاطی اور جلد بندی میں بھی مہارت حاصل تھی۔ آپ کے دست نویس مخطوطات آج بھی آپ کے اخلاف کے پاس محفوظ ہیں۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں۔

۱۔ وضع اطوار محمدی۔ مرتبہ مولانا محمد عالم آسی امرتسری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۱۱ء

۲۔ حلیہ شریف منظوم پنجابی، مطبوعہ

۳۔ التعلیقات، فارسی [طب]

۴۔ رسالہ نماز۔ منظوم ترجمہ

۵۔ التجاء واستغاثہ۔ مطبوعہ

۶۔ مناقب پیران پیر، منظوم فارسی

۱۸/ ربیع الاخر ۱۲۹۹ھ، ۹/ مارچ ۱۸۸۱ء میں وفات پائی۔ مزار موضع کولوتارڑ کے جنوبی قبرستان میں ہے۔ مولانا غلام قادر شائق رسول نگری نے قطعہ تاریخ وصال لکھا۔

ای دریغ آں مولوی معنوی یوم الخمیس
ہژدہم ثانی ربیع آں اہل دل در خاک خُفت
ساکن کولو غلام احمدش اسمِ شریف
تازہ روئے صاف دِل بودہ است بیداہم نہفت
درکتابت خوشنویں در طباعت تیز فکر
درعبادت طاق بودہم بہ حسن خلق جفت
واصف حق مادح پیغمبراں والا گہر
درکلامِ خود شعر خوش عجب درہا بہ سفت
چوں زِسالِ فوت آں فیّاض پُرسیدم زِعقل
عالمے، فیّاض، عالم باکمالے بود گفت

۱۲۹۹ھ

قطعہ تاریخ وفات: ازمیاں حمیدالدین ویسر

رخت بہ رب زمن سرا فانے

پیشرو عالماں واہلِ یقین

سال وصلش خرد نمود اظہار

سرد شد از زمن چراغ الدین

۱۲۹۹ھ ۹

حضرت مولانا مفتی غلام حسن چکی بھٹی:

حضرت مولانا مفتی غلام حسن چک بھٹی نزد جلال پور بھٹیاں کے رہنے والے تھے۔آپ حضرت مولانا میاں موسیٰ سیال کے شاگرد اور خلیفہ مجاز تھے۔تمام زندگی اپنے گاؤں میں درس وتدریس میں بسر کی۔وہاں پر ہی آپ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ مولانا عبدالنبی قریشی بھوئی گاڑ''تذکرۃ المحبوب،فارسی،قلمی،عکس کتب خانہ اورراجہ نور محمد نظامی بھوئی گاڑ،تحصیل حسن ابدال۔ضلع اٹک

۲۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری،تذکرۃ اکابرِ اہلسنت،مکتبہ قادریہ،جامعۂ نظامیہ،لاہور۱۹۷۶ء،ص۲۹۲

۳۔ قطعہ تاریخ وصال حضرت میاں محمد موسیٰ سیال:ازمیاں غلام احمد ویسر

خواجہ چوں رفت جائے دیگر

گفت یک مریدے در ہجر

چراغِ دین رُو پوش شد

ومانده ام داغم جگر

۱۲۶۸ھ

۴۔ منیر احمد سیال۔پیر ظاہر جمال سیال،نوریہ رضویہ پبلی کیشنز،داتا گنج بخش روڈ،لاہور،۲۰۰۶ء

۵۔ میاں ضمیر احمد ویسر،تذکرہ شاعر جمال رسالت''میاں غلام احمد ویسر تے اوہناں دا خاندان،دی رائٹ کمپوزر اینڈ پرنٹرز،حافظ آباد،۱۴۲۴ھ،ص۱۴۔۱۵

۶۔ حافظ میاں حمید الدین ویسر،ذکر دائم حضوری''حافظ میاں غلام احمد ویسر،دی رائٹ کمپوزر،حافظ

آباد، ۲۰۰۵ء، ص ۲۔۳

۷۔ پیر ظاہر جمال سیال، ص ۱۳۔۱۴

۸۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، جلد ا۔ص ۲۹۲

۹۔ عزیز علی شیخ، تاریخ حافظ آباد، فنکشن ہاؤس مزنگ، لاہور، طبع سوم ۲۰۱۴ء ص ۴۰۲۔۴۰۳

محمد افضل کیلانی، تذکرہ اکابرینِ اہلسنت حافظ آباد، حافظ پرنٹرز، جلال پور بھٹیاں ۲۰۱۳ء، ص ۴۶ تا ۴۹

میاں ضمیر احمد دیسر، گلزار حضوری ثنائی، ایوان دائم حضوری پاکستان، راہگو سیداں، حافظ آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۱۵

☆☆☆☆☆

میں اُس حبیبِ پاک خدا کا ہوں اُمّتی
جو عہد کا رسول ہے ، میثاق کا نبی!

وہ رحمتِ تمام کہ جو سوتے جاگتے
یا ربِّ اُمّتی! کہے: یا ربِّ اُمّتی!

رُوئے سخن ہے جس کا ہر انسان کی طرف
کُل کائنات کی ملی جس کو پیمبری

مصنوعی اونچ نیچ کے کس بَل نکال کر
نا مستقیم کو جو بناتا ہے مستوی

کہتا ہے بر ملا جو : بُعِثتُ مُعَلِّماً!
آدم گری میں صرف ہوئی جس کی زندگی

اسلوبِ دلبری میں وہ اپنی مثال آپ
ختم اُس پہ ہوگئی روشِ بندہ پروری

علامہ عبدالعزیز خالد

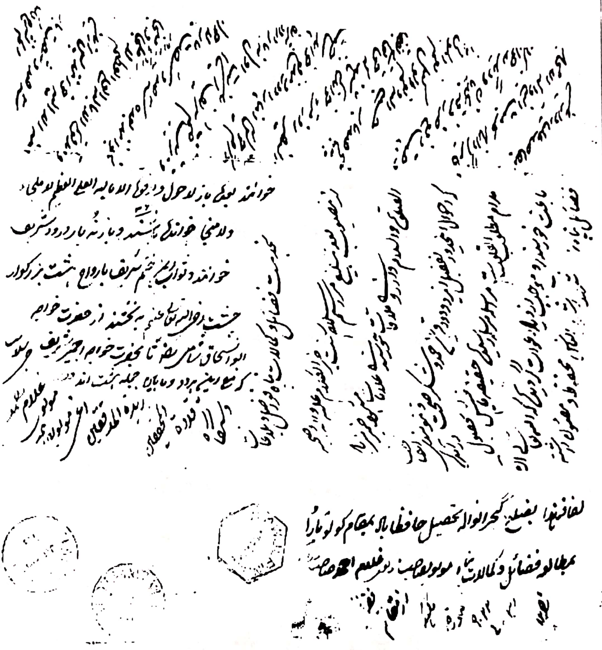

حضرت مولانا زین الدینؒ مکھڈی کے خط مبارک کا عکس

پیغامِ اقبال

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

حال و مقام

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگراں اور

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اور ، مجاہد کی اذاں اور

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

[بالِ جبریل]

☆☆☆☆☆

قسط ۔۔۔ ۷

توحیدِ خالص

حضرت خواجہ غلام زین الدینؒ

چھٹا لفظ عبادت ہے۔ عبادت کا معنی انتہائی عاجزی عابد کی اور انتہائی تعظیم معبود کی اور اس کی صرف ایک صورت ہے کہ کسی کو اپنا الٰہ (رب) سمجھ کر اتنی تعظیم کی جاوے کہ اس سے زیادہ تعظیم متصور نہ ہو سکے۔ اسی کا نام عبادت ہے اور اگر بغیر اس عقیدہ کے یعنی اس کو الٰہ رب نہ اعتقاد کرے اس کی تعظیم کرے جیسے ماں، باپ، استاذ، پیر۔ اس کو اطاعت اور تعظیم کہتے ہیں؛ عبادت نہیں کہتے اور یہ تعظیم شرعاً جائز ہے ممنوع نہیں؛ بلکہ حسبِ موقع واجب اور مستحب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ..... الخ پس جو لوگ ایمان لائے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور تعظیم کی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ لوگ فلاح پانے والے ہیں اور فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ یعنی جنھوں نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی؛ پس یہ تعظیم ان لوگوں کے اعمال سے ہے جن کے دِلوں میں تقویٰ ہے۔ صاحبِ تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں۔ ان کی تعظیم کرنا ضروری ہے۔ جیسے بعض مہینے، بعض دن، بعض مقامات، بعض اوقات۔ اسی لیے صفا مروہ، کعبہ معظمہ، رمضان شریف، شبِ قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔ یہ فرق ہے عبادت اور تعظیم میں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدار قصد اور نیت پر ہے۔ اگر کسی کو معبود رب سمجھ کر تعظیم کرتا ہے تو اس کو عبادت کہتے ہیں اور اگر کسی کو دینی عظمت والا سمجھ کر تعظیم کرتا ہے تو اس کو عبادت نہیں کہتے؛ تعظیم واطاعت کہتے ہیں۔ اگر چہ کیفیتِ فعل یکساں ہی کیوں نہ ہو۔ صرف قصد اور نیت سے فعل کی صفت اور حکم بدل جاتا ہے۔

دیکھو سجدہ ایک فعل ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ ہفت اندام زمین پر ٹک جاویں۔ خصوصاً ماتھا کا رکھنا زیادہ ضروری اور لازم ہے اور یہ سجدہ اُمم سابقہ میں غیر اللہ کو جائز بلکہ واجب

وماموربہ تھا۔ جیسے ملائکہ کا سجدہ آدم علیہ السلام کو۔ یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ یوسف علیہ السلام کو؛ اور یہ امر ظاہر ہے کہ یہ سجدۂ عبادت نہیں تھا کیونکہ عبادت غیر اللہ کی شرک ہے اور شرک سب ادیان میں حرام وممنوع ہے تو ثابت ہوا کہ یہ سجدۂ تعظیم تھا۔ اس لیے کہ سجدہ کرنے والوں کی یہ نیت نہیں تھی کہ یہ مسجود ہمارا رب ہے بلکہ یہ تھی کہ اس کو دینی عظمت حاصل ہے اگر کسی ساجد کی یہ نیت ہو کہ یہ میرا رب ہے تو سجدہ عبادت کا ہو جاتا ہے۔ صرف نیت سے سجدہ کی صفت بدل جاتی ہے اور حکم بھی بدل جاتا ہے کہ سجدہ عبادت ہر وقت ہر مذہب میں ناجائز، حرام، شرک ہے اور سجدۂ تعظیم ادیانِ سابقہ میں جائز تھا۔ شرع محمدی ﷺ میں ممنوع ہے؛ لیکن اس اُمتِ محمدیہ میں اگر کوئی شخص کسی قابل تعظیم ہستی کو سجدۂ تعظیم کرے تو گنہگار ہوگا۔ کافر مشرک نہ ہوگا۔ اب متبعین خوارج کی کمال جسارت وشوخ چشمی ملاحظہ ہو کہ کسی ولی اللہ کے ہاتھ پاؤں اور کسی بزرگ کی قبر کو بوسہ دینے والے پر شرک کا فتویٰ جاری کر دیتے ہیں۔ حالانکہ بوسہ اور سجدہ کی کیفیت میں فرق ظاہر ہے۔

علاوہ اس کے سلف صالحین نے بوسۂ قبر کے جواز پر تصریح کی ہے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح بخاری میں باب مَا ذُکِرَ فِی الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ میں وہ حدیث جو امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حج پر تشریف لانے اور حجرِ اسود کے بوسہ کے متعلق ہے۔ اس کی شرح کر کے آگے فرماتے ہیں کہ کہا ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہ متبرک مقامات کا بوسہ دینا تبرک کے ارادہ پر بہت اچھا فعل ہے بہ اعتبار ارادہ اور قصد کے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عرض کیا کہ وہ اپنی ناف جس پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا ظاہر فرما دیں۔ امام حسنؓ نے اپنا کپڑا اٹھایا۔ ابوہریرہؓ نے وہاں بوسہ دیا اور ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ مبارک کو بغیر بوسہ دینے کے نہیں چھوڑتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے مَس ہوا ہے اور شیخ زین الدین نے کہا کہ مجھے حافظ

ابو سعید ابن العلائیؒ نے خبر دی ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی [کے] کلام میں دیکھا ہے کہ ان سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے بوسہ کے متعلق پوچھا گیا۔ امام نے فرمایا کہ جائز ہے۔

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ حجر اسود کے بوسہ کے جواز اور ارکانِ کعبہ کے بوسہ کے جواز سے یہ مسئلہ نکالا جاسکتا ہے کہ جس چیز کے بوسہ میں مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو اس کا بوسہ دینا جائز ہے کیونکہ اگر چہ اس کے کرنے پر کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی؛ لیکن اس کے منع پر اور کراہت پر بھی کوئی حدیث وارد نہیں ہے اور امام ابو عبداللہ محمد ابن حنیف فرماتے ہیں کہ بعض علما کو میں نے دیکھا کہ جب قرآن شریف کو دیکھتے تھے بوسہ دیتے تھے۔ حدیث شریف کی کتاب کو دیکھتے تھے بوسہ دیتے تھے۔ نیک بندگانِ خدا کی قبور کو دیکھتے تھے بوسہ دیتے تھے۔ اس بوسہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ یہ سب عینی کی عبارت ہے۔ یہ ہیں اقوال سلف صالحین کے۔ تو اِن متبعین خوارج کے عقیدہ کے مطابق یہ سب سلف صالحین کی پیروی کرنے والے اور جائز سمجھنے والے مشرک ہوئے۔ نعوذ باللہ من ہذا الہفوات۔

اب ان دشمنانِ اولیاء اللہ کا ایک مسئلہ ضروری ذکر کرنا ہے۔ چونکہ ان کا اصل مقصد مخلوقات کو صراطِ مستقیم اولیاء اللہ کے راستہ سے ہٹانا ہے اس لیے یہ تقریر کرتے ہیں کہ مان لیا کہ اولیاء اللہ نیک بندے، اللہ کے مقرب بندے سب کچھ تھے۔ لیکن ان کے مزارات پر جانے سے جانے والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ان کے اعمال صالحہ کا فائدہ انھیں کو ہے۔ دوسرے کو اس سے کیا فائدہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی.. یعنی نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو اس نے خود کمایا۔ اب اس بزرگ کی کمائی سے زائر کو کیا حصہ مل سکتا ہے یا اس زائر کے ایصالِ ثواب سے صاحبِ مزار کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا مزاراتِ اولیاء اللہ پر جانا بے سود ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اہلِ سُنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اموات کے لیے جس طرح

ایصالِ ثواب کیا جاوے ان کو اس سے نفع ہوتا ہے اور فرقہ معتزلہ جن کو بارگاہ رسالت سے مجوس ہٰذہ الامۃ کا خطاب ملا ہوا ہے۔ اس کے منکر ہیں اور وہ اس آیتِ کریمہ کو اپنے دلائل میں ذکر کر کے نفی ایصالِ ثواب [کی] سند لاتے ہیں لیکن یہ آیتِ کریمہ ان کے مدعائے باطل کی ہرگز دلیل نہیں ہو سکتی اور نہ اس آیتِ کریمہ کا یہ مفاد ہے کہ انسان کو آباؤ اجداد کی صلاح سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ یا اموات کو زندوں کے ایصالِ ثواب سے کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اگر آیتِ کریمہ کا یہ مفاد ہو تو آیاتِ قرآنیہ میں تعارض پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والذین امنوا واتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم وما التنهم من عملهم من شئ ء كل امرئ بما كسب رهين ه**

ترجمہ: یعنی وہ لوگ جو ایمانِ کامل لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی متابعت کی راہ اختیار کی۔ ہم ان کی اولاد کو ان سے ملا دیں گے۔ یعنی آباء والے درجات سے ان کی اولاد کو بھی فائز کر دیں گے اور ان مومنین کاملین کے عمل سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے یعنی یہ صورت نہیں کہ ان کے آباء کے ثواب سے کوئی چیز کم کریں گے یعنی یہ صورت نہیں کہ ان کے آباء کے ثواب سے کوئی چیز کم کر کے ان کی اولاد کو عطاء کر دیں گے؛ بلکہ ان کو پورا ثواب ملے گا اور اتنا ہی ثواب ان کی اولاد کو عطاء کیا جاوے گا۔

ہر مرد اپنے کسب کے ساتھ ثابت ہے۔ یعنی مرد کا عمل اس سے جدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی بلکہ محض تفضیلاً وہی ثواب اور درجات ان کی اولاد مومنین کو عطا کر دیئے جاتے ہیں۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم.** دوسری آیت **واما الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہ کنز لھما وکان ابوھما صالحا.**

ترجمہ: بہر حال دیوار دو یتیم بچوں کی تھی اس شہر میں اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک بندہ تھا۔ یعنی وہ دیوار جس کو خضر علیہ السلام نے گرنے سے بچایا اور اس کو

درست کر دیا تھا، اس کی حکمت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ بیان کی؛ کہ یہ دیوار دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ رکھا ہوا تھا اور ان کا باپ مرد صالح تھا تو اللہ تعالیٰ کی مراد یہ تھی کہ دیوار گرنے سے محفوظ رہے تاکہ ان یتیموں کا خزانہ ضائع نہ ہو جاوے۔

تو ان آیاتِ شریفہ کا صراحۃً مفاد یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں آباء کی صلاح سے اولاد منتفع ہوتی ہے۔ پہلی آیتِ شریفہ میں نفع آخرت ہے اور دوسری میں نفع دنیا ہے اور آیتِ کریمہ

الملئکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض..

ترجمہ: اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور زمین والوں کے لیے اللہ جل شانہٗ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ کا مفاد یہ ہے کہ ملائکہ کے استغفار سے اہلِ زمین کو نفع پہنچتا ہے اور یہ نفع بغیر ان کی کمائی اور عمل کے ہے اور فرماتا ہے۔

والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان..

ترجمہ: وہ لوگ جو مہاجرین وانصار کے بعد آئے؛ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔

تو اگر ان کی دعائے مغفرت سے ان کو نفع نہ پہنچتا تو مقامِ مدح میں اللہ تعالیٰ ان کا یہ قول ذکر نہ فرماتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان آیاتِ قرآنیہ کا صراحۃً مفاد یہ ہے کہ انسان کو دوسرے کے عمل سے نفع پہنچتا ہے اب اس آیتِ کریمہ **وان الیس للانسان الا ماسعی** کا مفاد جس طرح مفسرین محققین نے اس کو بیان کیا ہے یہ ہے کہ چونکہ صلاح [صالح] آباء سے اولاد کو نفع یا طلب مغفرت احیا سے اموات کو نفع مشروط بالایمان ہے یعنی مومن کو صلاح [صالح] آباء سے بھی نفع پہنچتا ہے اور ایصالِ ثواب طلبِ مغفرت سے بھی نفع پہنچتا ہے۔ کافر کو ان چیزوں سے کوئی نفع نہیں ہے۔ تو مدار اِس نفع کا ایمان ہے جو کہ اس کا اپنا عمل ہے۔

اس لیے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کو بغیر اپنے کسب وسعی کے کوئی چیز نفع نہیں دیتی

تو وہ مسلمان جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح ایمان لایا۔ یہ ایمان اس کا عمل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اور غیر کے اعمال سے نفع اٹھا سکتا ہے اور کافر جو کہ اس عمل سے محروم ہے۔ اس کو نہ اپنے اعمال سے کوئی فائدہ نہ غیر کے اعمال سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس نے جب ایمان کو جو سب اعمال کا اصل ہے، ترک کر دیا تو اس نے کچھ بھی نہ کمایا۔ اس کی سب سعی ضائع و باطل ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کفار کے حق میں فرماتا ہے۔ **وقدمنا الی ماعملو من عمل فجعلنه هنیاء منشورا۔**

ترجمہ: یعنی قیامت کے دن ہم ان کفار کے عمال خیر کی طرف ارادہ کریں گے۔ ایسا کر دیں گے جیسے وہ غبار جو کہ مکان کے اندر شعاع دھوپ سے نظر آتی ہے۔ در حقیقت کوئی چیز نہیں ہوتی۔

علاوہ اس کے اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا یا ان کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضر ہونے کا یہ ظاہر فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **هم قو م لایشقی جلیسهم.**

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ یعنی وہ قوم ہے کہ ان کا ہم نشین ہم صحبت بد بخت نہیں ہو سکتا یعنی اللہ تعالیٰ جب نظر رحمت اس قوم پر بہ سبب ان کے اعمالِ صالحہ کے فرماتا ہے تو جو شخص ان کی صحبت میں ہوتا ہے وہ بھی اس رحمت سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔

وما توفیقی الا باالله و الله الموفق للحق وهو یهدی الی سواء السبیل .

☆☆☆☆☆

اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ کی سترہویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ حسد کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام نے دعا فرمائی ہے۔ کہ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مَحْسُوْدًا وَلَا تَجْعَلْنِیْ حَاسِدًا۔ اے اللہ مجھے محسود (جس سے حسد کیا جائے) بنا، حاسد (حسد کرنے والا) نہ بنا۔ اس موقع پر فرمایا کہ حسد ہوتا ہے اور غبطہ (رشک) ہوتا ہے' حسد تو یہ ہے کہ کوئی کسی کے پاس نعمت دیکھے اور اس نعمت کا زوال چاہے یہ حسد ہے البتہ غبطہ یہ ہے کہ کوئی کسی کی نعمت دیکھے اور خود اپنے لیے بھی ایسی نعمت چاہے۔ یہ غبطہ ہے۔ پس حسد حرام ہے اور غبطہ (حرام) نہیں ہے۔ [فوائد الفواد]

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْر

علامہ بدیع الزمان نورسیؒ

(درسِ عبرت اور غفلت کے سر پر ایک زوردار طمانچہ)

اے میرے غفلت میں ڈوبے ہوئے من!

تجھے یہ دنیاوی زندگی بڑی میٹھی اور لذیذ لگتی ہے اس لیے تو دنیا کا طلب گار رہتا ہے اور آخرت کو یکسر بھلائے بیٹھا ہے...... تجھے یہ معلوم ہے کہ تو کس کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے؟ تو شتر مرغ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔۔۔ جی ہاں، وہ شتر مرغ جو شکاری کو دیکھتا ہے تو اُڑ نہ سکنے کی وجہ سے ریت میں سر چھپا لیتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ شکاری اب اسے دیکھ نہیں پا رہا ہے، جبکہ اس کا باقی بھاری بھرکم جسم ریت سے باہر ہوتا ہے، اب شکاری تو اسے دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن اس نے چونکہ اپنی پلکیں ریت کے اندر بند کی ہوتی ہیں اس لیے یہ شکاری کو نہیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔

اے میرے من! اس مثال میں غور کرو اور دیکھو کہ تمام تر نظر کو اس دنیا میں منحصر کر لینے سے کس طرح میٹھی لذت ایک کڑوے اور المناک رنج و غم میں تبدیل ہو جاتی ہے!۔۔۔

فرض کرو کہ اس گاؤں (بارلا) میں دو آدمی رہتے ہیں، ان میں سے ایک تو وہ ہے جس کے ننانوے فیصد 99% دوست احباب استنبول جا چکے ہیں اور وہاں بہترین پُرتعیش زندگی گزار رہے ہیں، اور پیچھے صرف ایک ہی آدمی رہ گیا ہے اور وہ بھی جانے کے لیے ہمہ وقت پر تول رہا ہے، اور انتہائی اشتیاق سے اپنے ان دوستوں سے ملنے کے بارے میں سوچتا رہتا ہے۔ اسے کسی بھی وقت کہہ دیا جائے کہ: ''چلو اُدھر چلتے ہیں'' تو وہ جھٹ شاداں و فرحاں چل پڑے گا۔

دوسرا آدمی جو ہے اس کے دوست احباب میں سے بھی ننانوے فیصد 99% چل بسے ہیں

لیکن اس کا خیال یہ ہے کہ ان میں سے کچھ تو فنا ہو گئے ہیں اور کچھ نامعلوم جگہوں پر رہائش پذیر ہو گئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس کے حساب سے وہ ہلاک ہو گئے اور ادھر ادھر بکھر گئے ہیں۔ یہ آدمی ایک جان لیوا مرض میں مبتلا ہے، کسی ایسے دوست کا متلاشی ہے جو اس کی تنہائی کا ساتھی بنے اور اس کے لیے تسلی اور دِلاسے کا سامان کرے، جو ان سب کا بدل ثابت ہو سکے اور جس کے ذریعے وہ اپنے اس دردناک فراق کے زخم پر مرہم رکھ سکے، چاہے وہ سیر و سیاحت پر آیا ہوا ایک مسافر ہی کیوں نہ ہو۔

اے میرے من!

تیرے تمام پیارے اور محبوب- اور ان میں سرفہرست اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں- اس وقت اُس دنیا میں ہیں جو قبر کی دوسری جانب ہے، اور ایک۔دو جو رہ گئے ہیں وہ بھی کوچ کرنے کے لیے تیار ہیں۔اس لیے موت کے ڈر اور قبر کے خوف سے اپنا منہ دوسری طرف نہ پھیرنا، بلکہ قبر کی طرف غور سے دیکھو اور پوری شہامت اور بہادری سے اس کے گڑھے پر نظر کرو اور اس کے مطالبے کو غور سے سنو، اس کی آنکھوں میں جھانک کر مردانگی سے مسکراؤ اور دیکھو کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ اور خبردار، غفلت کا شکار ہو کر اِس دوسرے آدمی کی طرح نہ ہو جانا!

اے میرے من!

یہ کبھی نہ کہنا کہ: زمانہ بدل چکا ہے اور وقت اور طرح کا آ گیا ہے، اور لوگ دنیاوی زندگی کی دلدل میں ازسرتاپا ڈوب چکے ہیں اور اس کی صورت پر فریفتہ ہو چکے ہیں۔۔۔ یعنی سب لوگ فکرِ معاش میں مدہوش ہیں؛ کیونکہ موت نہیں بدلتی ہے، اور ہجر و فراق کبھی قرب و وصال کا روپ نہیں دھارتا، اس لیے وہ بھی بدلتا نہیں۔اور یہ کہ عجزِ انسانی اور فقرِ بشری بھی تبدیل نہیں ہوتا بلکہ روز بروز

بڑھتا رہتا ہے۔ اور یہ کہ انسانی سفر منقطع نہیں ہوتا ہے بلکہ جاری وساری رہتا ہے۔ پھر یہ بھی مت کہو کہ: ''میں بھی دوسروں جیسا ہی ہوں'' کیونکہ لوگوں میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ قبر کی دہلیز سے آگے نہیں جائے گا۔۔۔

اگر تم اس بات سے حوصلہ اور تسلی کی جستجو میں ہو کہ مصیبت کے وقت لوگ تمہارا ساتھ دیتے اور تمہارے شریکِ غم ہوتے ہیں، تو اس چیز کی بھی قبر کی دوسری طرف مطلق کوئی حقیقت یا اساس نہیں ہے۔ اور خود کو ہرگز آزاد اور بے لگام بھی نہ سمجھ بیٹھنا؛ کیونکہ تم جب دنیا کے اس مہمان خانے کو حکمت بھری اور گہری نظر سے دیکھو گے تو۔۔۔ یہاں کوئی بھی چیز تمہیں غیر منظم، بے ترتیب اور بلا مقصد نظر نہیں آئے گی۔ تو جب یہ پوری کائنات انتہائی گہرے نظم وضبط کے ساتھ چل رہی ہے تو پھر تم اکیلے بغیر نظم وضبط اور بلا غرض وغایت کے کیسے ہو سکتے ہو؟! حتیٰ کہ کائنات میں برپا ہونے والے یہ حوادث وواقعات جو کہ زلزلوں سے مشابہت رکھتے ہیں، یہ اتفاقی کھیل نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر تم دیکھتے ہو کہ زمین کو انواع واقسام کی انتہائی خوبصورت نباتات وحیوانات کے ساتھ آراستہ وپیراستہ کر کے منقش جوڑے اوپر تلے پہنا دیے گئے ہیں۔ جن کی ساخت پرداخت انتہائی نظم وضبط اور ماہرانہ طریقے سے ہوئی ہے جن کی وجہ سے زمین از سر تا قدم ہزار ہا حکمتوں سے مزین اور ہزار ہا مقاصد کے لیے دلہن کی طرح تیار ہو گئی ہے؛ اور تم جانتے ہو کہ زمین اپنی اس حالت میں انتہائی بلند اغراض ومقاصد کے سلسلے میں بہ کمال انتظام رواں دواں ہے اور اپنی اس سج دھج اور بناؤ سنگھار کی سرخوشی وسرمستی میں ایسے جھوم اٹھتی ہے جیسے سلسلہ مولویہ کے مجذوب درویش کیف وسرور کی حالت میں اپنے رقص میں جھومتے ہیں۔(۱) پس بات دراصل یہ ہے کہ زمین کو بنی آدم کی اور خاص کر اہل ایمان کی۔ بعض غفلت بھری عادات واطوار پسند نہیں آتی

ہیں تو وہ گویا کہ ان کے معنوی بوجھ سے اپنے کندھے جھٹکتی اور بوجھ اتارتی ہے تو زلزلہ ہوتا ہے۔ اور بات جب ایسے ہی ہے تو پھر اس کے بارے میں یہ گمان رکھنا کیونکر جائز ہے کہ زلزلے جیسے زندگی سے بھرپور موت سے مخلوط یہ حادثے بغیر کسی ارادے اور غرض و غایت کے ظہور میں آجائیں؟ (۲)

جیسے کہ ایک ملحد اور لادین لکھاری نے لکھا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ زلزلہ وغیرہ ایک اتفاقی چیز ہوتی ہے، یقیناً اس کا یہ خیال بہت بڑی غلط فہمی، ایک فاش غلطی اور بدترین ظلم ہے؛ کیونکہ اس نے اپنے ان خیالات کا اظہار کر کے زلزلہ متاثرین کے ہر قسم کے جانی اور مالی نقصان کو ھبــــاءً منثورًا بنا کر اُنہیں المناک ناامیدی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے۔ حالانکہ ایسے حوادث ہمیشہ اہل ایمان کے اموال کو ذخیرہ بناتے ہیں اور انہیں۔ اُس حکیمُ الرّحیم کے حکم کے مطابق۔ ان کے لیے صدقہ بنا دیتے ہیں، اور یہ کفرانِ نعمت سے جنم لینے والے گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔ وہ دن عنقریب آنے والا ہے جس دن یہ مسخر اور تابع فرمان زمین دیکھے گی کہ اس کا چہرہ انسانی اعمال کے شرک اور کفرانِ نعمت کے گدلے تیل کی وجہ سے بدصورت اور بدنما ہو چکا ہے، تب اس خالقُ الحکیم کے امر سے ایک بہت بڑے زلزلے سے وہ اپنا یہ چہرہ پونچھ کر صاف کرے گی اور اہلِ شرک کو -اللہ کے حکم سے- جہنم میں گرا کر اور اہلِ شکر کو "آؤ جنت میں تشریف لاؤ" کی آواز دے کر اپنا یہ چہرہ پاک کرے گی۔

☆☆☆☆

حضرت خواجہ مولانا محمد احمد الدینؒ مکھڈی چشتی کے ۴۹ ویں عرس مبارک کی محفل پاک میں
سجادہ نشین حضرت مولانا محمد فتح الدین چشتی مکھڈی مدظلہ العالی، حضرت مولانا سراج الدین محمد ناصر صاحب، حضرت صاحبزادہ علاؤالدین صاحب، صاحبزادہ سعد وقاص صاحب
حضرت مولانا محمد شرف الدین صاحب، صاحبزادہ ڈاکٹر محمد عابد نظامی صاحب تشریف فرما ہیں۔

شیخ المشائخ قطب الاقطاب
حضرت خواجہ
شاہ محمد سلیمان تونسوی
رحمۃ اللہ علیہ
المعروف پیر پٹھان
کی سوانح حیات مبارکہ کی کتب ہمارے پاس
PDF فائل میں دستیاب ہیں
PDF
جس بھائی کو چاہیئے وہ ہمارے واٹس ایپ پر مفت حاصل کرسکتا ہے
مزید معلومات کیلئے ہمارے YouTube
یوٹیوب چینل کو سبسکرائب کریں
Sulemania Chishtia Library
PDF
اس کے علاوہ دیگر تونسوی خواجگان کی سیرت پر کتب اور اسلامی کتب بھی طلب کرسکتے ہیں۔
+92 332 1717717 خلیفہ مدنی تونسوی

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ
پرائمری اور مڈل امتحان دینے
والے طلباء کیلئے داخلے جاری ہیں
رحمۃ اللہ علیہ
جامعہ مولانا احمد تونسوی
حفظ القرآن مع التجوید
درس نظامی
عصری تعلیم
مہتمم
غلام عباس چشتی
0318-6384966
0348-7019706
نزد قبرستان فلٹریشن پلانٹ منگڑوٹھہ روڈ
تونسہ شریف

خانقاہِ معلیٰ ابدالِ زماں حضرت خواجہ ابواحمد ابدال چشتی رحمۃ اللہ علیہ، چشت شریف (ہرات، افغانستان)